"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ"

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ ۲۵/۳

کا

وعظ مسمّٰی بہ

ترک مالا یعنی

منجملہ ارشادات حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی
تھانوی قدس سرہٗ

ادارہ فکر اسلامی دیوبند (یوپی)

الوعظ المسمی بہ
ترک مالایعنی

أین	کہاں ہوا	مطب مکان شیخ رشید صاحب
متیٰ	کب ہوا	۱۹ جمادی الاخری ۱۳۴۰ھ جمعہ ۱۷ فروری سنہ ۱۹۲۲ء
کم	کتنا ہوا	دو گھنٹہ
کیف	کیونکر ہوا	کھڑے ہوکر
لِمَ	کیوں ہوا	بدرخواست اہل صدر
ماذا	کیا مضمون تھا	لا یعنی امور کو ترک اور تعلقات زائدہ کو کم کرنا چاہیے۔
من خص بہ زیادۃ	کن لوگوں کو زیادہ مخصوص کیا	سالکین کو بالخصوص
من ضبط	کس نے لکھا	ظفر احمد عفا اللہ عنہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	تقریباً ۴۰۰ چار سو افراد تھے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک نہایت نافع دستور العمل بیان فرمایا ہے جو ایک جامع کلام ہے جس میں دنیا و آخرت دونوں کا انتظام مضمر ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور کمال ہے کہ چند لفظوں میں نہایت جامع مضمون آپ ارشاد فرما دیتے ہیں گویا وہ ایک کلی ہے جس کے تحت میں ہزارہا جزئیات موجود ہیں اور سب جزئیات کا حکم ایک کلیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر بھی دستور العمل ارشاد فرمائے ہیں وہ سب ہی نافع ہیں حتی کہ اسی لئے

بعض دفعہ بیان کے وقت سخت حیرانی ہوا کرتی ہے کہ کس بات کو بیان کیا جاوے آپکی ساری ہی باتیں بیان کے قابل ہیں مگر اس کے لئے تو ایک طویل عمر بھی ناکافی ہے اس لئے ایک جلسہ میں ایک ہی مضمون کو اختیار کیا جاتا ہے۔

ترجیح مضمون کا معیار

مگر اس اختیار کا معیار ایک امر اجتہادی ہے جسکی بنا پر متعدد مضامین سے ایک کو ترجیح دیجاتی ہے۔ اور وہ معیار ضرورت ہے لیکن ضرورت بھی سب ہی ارشادات کی ہے آپکا کوئی بھی ارشاد غیر ضروری نہیں مگر زیادہ ضرورت پر نظر کرکے ایک بات کو اختیار کر لیا جاتا ہے اور وہ زیادہ ضرورت کا معیار مخاطبین کی کوئی خاص حالت ہوا کرتی ہے جیسے فن طب میں ایک ایک مرض کے لئے بہت سے نسخے ہوتے ہیں کہ وہ سب اس مرض کیلئے مفید ہوتے ہیں لیکن طبیب انمیں سے کسی ایک کو ترجیح دیکر اسی کو تجویز کر دیتا ہے اور اسکی ترجیح کیوجہ سے فصول[1] و امزجہ[2] کا اختلاف ہے کہ ایک نسخہ ایک فصل کے مناسب ہے دوسرا دوسرے موسم کیلئے اور ایک نسخہ کسی مزاج کے موافق ہے دوسرا کسی اور مزاج کے۔ ان امور پر نظر کر کے طبیب کسی ایک نسخہ کو ترجیح دیا کرتا ہے۔ اور مدار محض معالج کی تشخیص پر ہے اس کے اجتہاد میں جو نسخہ مریض

---

[1] موسم [2] مزاج ۱۲

کے مزاج سے زیادہ موافق اس وقت ہوتا ہے وہ اسی کو اختیار کرلیتا ہے یہ ممکن ہے کہ دوسرے طبیب کے نزدیک اسوقت کسی دوسرے نسخہ کو ترجیح ہو کیونکہ اسکی تشخیص میں مرض کی کیفیت کچھ اور ظاہر ہوئی ہے مگر بہرحال ایک طبیب کو دوسرے پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہر ایک نے اپنے اجتہاد ہی سے ایک کو ترجیح دی ہے۔ یہی حالت معالجہ باطنیہ کی ہے کہ اسمیں بھی خصوص مواقع کیوجہ سے ایک خاص تدبیر کو اختیار کیاجاتا ہے۔ چنانچہ اسوقت ایک ایسی ہی خاص وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ یہ مضمون باوجودیکہ نہایت ضروری ہے مگر اسکی طرف سے غفلت بہت ہو رہی ہے۔

ضروری ہونیکے اسباب مختلف

کسی مضمون کے ضروری ہونیکے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں

کبھی ایک مضمون کا بیان کرنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسپر عمل کرنا شرعاً واجب یا فرض ہے یہ وجہ تو بہت سے احکام میں مشترک ہے کبھی اس لئے ضرورت بیان کی ہوتی ہے کہ کسی فرض یا واجب پر عمل کرنے میں کوتاہی کیجاتی ہے اور ایک بڑا سبب ضروری ہونیکا یہ ہے کہ ایک چیز شرعاً ضروری ہے مگر اسکی طرف سے بے التفاتی اسدرجہ ہے کہ اسکو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا اس لئے اسکی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ مضمون جو

میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں اسکی یہی حالت ہے کہ فی نفسہ
وہ بہت ضروری ہے مگر عام طور پر لوگوں کو اسکی ضرورت کا احساس
نہیں ہے ترجمہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی عموماً اسکو
ضروری کوئی نہیں سمجھتا الا ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز مفید نہ ہو آدمی اسکو ترک کر دے
ترجمہ سن کر اکثر لوگوں کو خیال ہوا ہوگا کہ اسمیں کونسی ضرورت
کی بات ہے نہ اسمیں کسی ثواب کا ذکر ہے نہ عذاب کا نہ وعدہ ہے
نہ وعید ہے نہ کسی کام کے کرنیکا حکم ہے حالانکہ آئندہ آپ کو
اس کا ضروری ہونا معلوم ہو جائے گا اور اس وقت آپ کو اندازہ
ہوگا کہ اتنی ضروری بات سے ہم لوگ کس قدر غافل ہیں ! صاحبو !
عملی غفلت سے علمی غفلت زیادہ اشد ہے کیونکہ جس کام کو انسان
ضروری سمجھتا ہو لیکن عمل کرنے میں سستی کرتا ہو وہاں تو یہ امید
ہو سکتی ہے کہ اگر کسی وقت اسکے ضروری ہونے پر توجہ ہو گئی تو فوراً عمل
شروع کر دیگا اور علمی غفلت میں یہ امید بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ جب
اسکو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا تو ضرورت پر توجہ کیونکر ہو گی بلکہ عجب
نہیں کہ اگر کوئی شخص کبھی اسکام کی ضرورت بیان کرے تو سننے والوں
کو اس سے وحشت ہو اور کہیں کہ یہ تو بالکل نئی بات ہے آجتک
کسی نے بھی اسکو ضروری نہ کہا تھا یہ بات تو ہمنے کبھی نہیں سنی پس علمی
غفلت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ متنبہ کرنیسے بھی بعض دفعہ تنبہ نہیں ہوتا

اس لئے علمی غفلت کا دور کرنا عملی غفلت کی اصلاح سے مقدم ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات نماز کا بیان نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ سب سے زیادہ ضروری فرض ہے اور اس سے غفلت بھی زیادہ کیجا رہی ہے اور دوسرا مضمون بیان کے لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ نماز سے تو محض عملی غفلت ہے علمی غفلت نہیں ہر مسلمان نماز کی ضرورت کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے لیکن اس دوسری بات کو لوگ ضروری ہی نہیں سمجھتے عمل تو کیا ہی کرتے اس لئے کہ طبیب روحانی اس ضروری بات کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کے عقائد کی تو اصلاح ہو جائے اور وہ گو اسپر عمل نہ کریں تو اس کو ضروری تو سمجھتے ہیں خلاصہ یہ کہ عملی غفلت سے صرف عمل ہی میں نقصان آتا ہے اور علمی غفلت سے عقائد و خیالات میں۔ اور ظاہر ہے کہ عقائد و خیالات کی اصلاح عملی اصلاح سے مقدم ہے علمی غفلت کا تدارک بہت دیر میں ہوتا ہے اور اگر چند روز اسکی ضرورت کو بیان نہ کیا جائے تو پھر ذہن میں ڈالنے سے بھی اس پر توجہ نہیں ہوتی بلکہ اسکے سننے ہی سے وحشت اور تعجب ہونے لگتا ہے جیسا کہ اکثر سامعین نے اس حدیث کا ترجمہ سنکر یہ خیال کیا ہوگا کہ اسمیں تو کوئی ضروری بات نہیں بلکہ محض ایک معمولی بات ہے کہ جو چیز مفید نہ ہو اسکو ترک کر دینا چاہیے

انبیاء کا طریق تعلیم و تربیت

میں کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں اور

ان میں سے بھی بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہی تو بڑی خوبی ہے کہ وہ بڑے بڑے مہلک امراض کا علاج نہایت سہل اور معمولی باتوں میں کر دیتے ہیں۔ جس کو دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو کچھ بھی علاج نہیں محض ایک معمولی بات ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے اسکا فائدہ عظیمہ جب معلوم ہوتا ہے اسوقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی قدر معلوم ہوتی ہے اور بے ساختہ یوں کہتا ہے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ میری آنکھیں کھول دیں اور مجھکو محبوب سے ہمراز کر دیا ہے ۱۲

انبیاء کی تعلیم ایسی ہوتی ہے جیسے بعض اطبا جڑی بوٹیوں سے علاج کیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ طبیب بڑا ماہر ہے جو ایک معمولی گھاس سے بڑے سے بڑے مرض کا علاج کر دے مگر اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جو اس کے علاج پر ایک مدت عمل کر کے اسکے فائدہ کا مشاہدہ کر چکا ہو ورنہ ظاہر میں لوگ تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی علاج ہے جسمیں جنگل کی گھاس ہی بتلا دی جو ایک پیسہ کو بھی نہیں پوچھی جاتی مگر حقیقت میں فن دانی اسی کا نام ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور کام جلدی ہو جائے۔ ہمارے استاد علیہ الرحمہ مولانا یعقوب صاحب اکثر جڑی بوٹیوں سے علاج بتلا دیا کرتے ۔ مولانا علم طب میں بھی بڑے ماہر تھے اور آپ کے نسخہ میں زیادہ اجزاء نہ ہوتے تھے اکثر تو

مفردات ہی بتلا دیا کرتے تھے ورنہ دو یا تین سے زیادہ اجزاء نہ ہوتے تھے ایک مرتبہ آپ نے ایک رئیس کو یہ دوا بتلائی کہ جامن کی کوپلوں کو سیاہ مرچوں میں پیسکر استعمال کریں یہ واقعہ تو میں نے ناتمام سنا ہے یہ معلوم نہیں کہ اُن حضرات نے اسکو استعمال کیا یا نہیں دوسرا واقعہ کل سنا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مولانا انبہٹہ تشریف لے گئے مولانا کی دوسری شادی انبہٹہ ہی میں ہوئی تھی اس لئے وہاں جانا آتا رہتا تھا ایک رئیس کو وہاں معدہ کا کچھ مرض تھا۔ جسکے علاج انھوں نے بہت کئے تھے مگر کسی علاج سے نفع نہ ہوا جب مولانا وہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے حضرت سے بھی رجوع کیا مولانا نے ان کو یہ دوا بتلائی کہ اکاس بیل کو دودھ میں پکا کر استعمال کریں چونکہ ایک معمولی دوا تھی جسمیں ایک پیسہ کا بھی خرچ نہ تھا کیونکہ اکاس بیل خودرو بہت ملتی ہے اس لئے ایک رئیس کو اسکی قدر نہ ہوئی وہ یہ سمجھے کہ میرے مرض کے لئے تو ایک نسخہ کی ضرورت ہے جسمیں بہت روپے خرچ ہوں اس معمولی دوا سے مجھے کیا آرام ہوگا۔ مولانا کو بھی آثار سے معلوم ہوگیا کہ اس شخص نے میرے نسخہ کی قدر نہیں کی فرمایا کہ اسکو معمولی نہ سمجھو تمہارے مرض کی یہی ایک دوا ہے اسکو استعمال کرکے دیکھو مگر اس نے پھر بھی توجہ نہ کی جب مریض کو طبیب پر اعتماد نہ ہو تو اسکی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اسکی خوشامد کرے پھر مولانا کو کوئی فقیر

طلقی بھی جو وہ خوشنما مگر بستہ مولانا بھی خاموش ہو رہے اتفاق سے
اس محلہ کی مسجد میں ایک نابینا ملاجی مؤذن تھے جن کی بزرگی کے
لوگ معتقد تھے انھوں نے شیخ کو اس رئیس کے روبرو خواب بیان
کیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا اور دریافت کیا کہ حضرت اس
مرض کیلئے کوئی دوا بتلا دیجئے انھوں نے فرمایا کہ اسکی صرف ایک ہی
دوا ہے اور وہی دوا بتلائی جو حضرت مولانا نے بتلائی تھی یہ خواب جب شیخ
بیان کیا گیا مولانا نے پوچھا کہ حافظ جی دیکھو ہم تو نہ کہتے تھے حافظ
جی کیا کہتے ہیں ہاں حضرت آپ نے تو ایسی ہی کہی تھی مولانا نے فرمایا بھائی
جب تم نے جاگتے میں بتلا کر کہا تھا آخر انہوں نے سوتے میں بتلایا تو
دیکھئے مولانا کے ارشاد کی قدر اسی لئے نہ ہوئی کہ بظاہر وہ ایک معمولی
بات معلوم ہوتی تھی بس آجکل کچھ مذاق ایسا بدل گیا ہے کہ معمولی
اور آسان باتوں کی قدر نہیں کرتے نہ ایسی باتوں کو ضروری
سمجھتے ہیں بس اسی بات کی قدر ہوتی ہے جسمیں مصیبت جھیلنا پڑے
چنانچہ مشائخ میں بھی ہے کہ لوگ اسی شیخ کی قدر کرتے ہیں جو مجاہدات
زیادہ بتلائے کہ تہجد کبھی قضا نہ ہو چھ مہینے تک چلہ میں رہو کسی
سے نہ ملو چاہے اس کمبخت کی تمام ضروریات کا بیڑا غرق ہو جائے مگر
شیخ کو اسکی پرواہ نہ ہو تب تو وہ شیخ ہے اور اگر کوئی یہ بتلا دے
کہ بھائی رات کو آنکھ نہ کھلتی ہو تو عشاء کے بعد تہجد پڑھ لیا کرو اور اگر
تنہائی کا موقعہ نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی وظیفہ پورا کر لیا کرو اس کی

بہت کم قدر ہوتی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اس شیخ کے یہاں تو کوئی نئی بات نہیں سب معمولی باتیں ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر سستے پھیلے ہی گھر بس جاوے تو یہ کمال کی بات ہے یا نقصان کی اگر دو پیسے کی جڑی بوٹی میں سالہا سال کا روگ جاتا رہے جو دوسرے اطبار کے صدہا روپے کے نسخوں میں بھی نہ گیا تھا تو یہ طبیب کا کمال ہے یا عیب۔ مگر جب لوگوں کا مذاق ہی بگڑ جائے تو اسکا کیا علاج وہی مثل ہے کہ اندھے کے آگے روئے اپنی آنکھیں کھوئے غرض انبیار علیہم السلام کی تعلیم کا یہی حال ہے کہ دو جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں اُن کی باتیں ظاہر میں معمولی ہی معلوم ہوتی ہیں مگر ان کا فائدہ بہت بڑا ہوتا ہے اور اس سہل تعلیم کی بنا وفورِ[1] شفقت ہو انبیار علیہم السلام کو اپنی امت سے محبت اور اُن کے حال پر شفقت بہت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی تعلیم نہایت آسان ہوتی ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو تعلیم دیا کرتا ہے۔

دیکھئے ایک تعلق تو حاکم کو اپنی رعایا سے ہوتا ہے اور ایک تعلق باپ کو اولاد سے ہوتا ہے کیا دونوں تعلق یکساں ہیں ہرگز نہیں حاکم بوجہ حکومت کے بے تکلف فرمائش کر دیتا ہے کہ فلاں کام کرو فلاں کام مت کرو۔ اسکو حاکم ہونیکی حیثیت سے اسکی پروا نہیں ہوتی کہ رعایا کو اس کام کے کرنے میں مشقت ہوگی یا سہولت نہ وہ اسکی فکر کرتا ہے

[1] وفور۔ زیادتی ۱۲

کہ اسکام کیلئے آسان ہونیکا طریقہ رعایا کو بتلادے کیونکہ حاکم ہونیکا یہ مقتضی ہی نہیں اسکو تو حکم دیدینا آتا ہے اگر کسی نے اسکی تعمیل کی فبہا ورنہ خلاف ورزی قانون کی دفعہ قائم کرکے اسپر جرمانہ یا سزا کردے گا تو بات کیا ہے بات صرف یہ ہے کہ حاکم کو اسکی فکر نہیں ہوتی کہ جو کچھ میں حکم دیرہا ہوں رعایا اس پر عمل کرہی لے بلکہ بعض دفعہ کسی شخص کو زیادہ ملزم بنانے کیلئے اور اس پر حجت قائم کرنے کیلئے اسکا قصد کیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس حکم پر عمل نہ کرے تو اچھا ہے تاکہ میں اسکو سزا دے سکوں اس صورت میں وہ قصداً ایسا سخت حکم دیتا ہے جو اس سے ہو ہی نہ سکے لیکن باپ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ بے تکلف بیٹے کو جو چاہے حکم دیدے خواہ وہ اس سے ہوسکے یا نہ ہوسکے ہرگز نہیں بلکہ باپ جو کچھ حکم دینا چاہے گا اول اسکے کہنے کیلئے وقت ایسا تجویز کریگا جبکہ بیٹے کو فرصت ہو باپ کا کام بتلانا اسے ناگوار نہ ہو پھر وہ جو کچھ کہے گا بیٹے کی ہمت کے موافق کہے گا اور اسکے بعد بھی اس سے یہ کہدیگا کہ اس کام کو اس طریقے سے کرنا اسمیں سہولت ہوگی اور پھر خود بھی اسمیں اعانت کریگا بیٹے کا ہاتھ بٹا دیگا اس کی وجہ کیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ باپ چاہتا ہے کہ بیٹا اس کام کو کرلے اس میں اسکا نفع ہے باپ کبھی ایک کام بتلا کر یہ نہیں چاہتا کہ بیٹا اس کام کو نہ کرے تو اچھا ہے تاکہ میں اسکو خوب مار سکوں اب آپکو معلوم ہوگیا کہ حاکم اور باپ میں کتنا فرق ہے تو انبیاء علیہم السلام کو

امت سے حاکمانہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کو ایسا تعلق ہوتا ہے
جیسا باپ کو اولاد سے ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ باپ
کو اولاد سے محبت و شفقت محض اس لئے ہے کہ اولاد کا جسم
باپ کے ذریعہ سے پرورش ہوا ہے لیکن حضرات انبیا علیہم السلام
امت کی ارواح کو پرورش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جسمانی تربیت سے
روحانی تربیت بڑھی ہوئی ہے اور جو لوگ روحانی تربیت کرنے والے
ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ بعض دفعہ شیخ کو کسی مرید سے ایسا تعلق
ہوتا ہے کہ اپنی اولاد سے بھی ویسا تعلق نہیں ہوتا اور اسی کا اثر یہ
ہوتا ہے کہ بعض مریدین کو شیخ سے ایسا تعلق ہوجاتا ہے کہ باپ سے
اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا چنانچہ اسکا مشاہدہ ہوچکا گو آج کل
اس تعلق میں بہت کمی ہوگئی ہے کیونکہ آجکل آزادی کا زمانہ ہے ہر
شخص آزاد ہوگیا ہے اس آزادی کا اثر اس طبقہ میں بھی کسی قدر ہوچلا
ہے مگر تاہم اس میں شک نہیں کہ روحانی تربیت میں بھی مربی کو وہی
شفقت ہوتی ہے جو جسمانی تربیت کیوجہ سے باپ کو ہوتی ہے بلکہ
روحانی مربی کو اس سے بھی زیادہ شفقت ہوتی ہے جہاں باپ جو کام
کرتا ہے وہ تو حیوانات بھی کرتے ہیں وہ بھی اپنی اولاد کی پرورش
کرتے ہیں ان کو بھی اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے لیکن روحانی مربی
وہ کام کرتا ہے جو کسی باپ سے نہیں ہوسکتا کہ وہ انسان کی روح
کو خدائے تعالیٰ سے ملا دیتا ہے اسکو عارف وہ اصل بنا دیتا ہے

پھر اس پاکیزہ تربیت میں طرفین سے جسقدر بھی تعلق ہو تھوڑا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام عموماً اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق ہوتے ہیں پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کو تو اپنی امت سے بہت ہی تعلق تھا بخدا آپ سے زیادہ کوئی بھی شفیق نہیں البتہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر آپ سے بھی زیادہ شفقت ہے بلکہ خود حضرات انبیاء علیہ السلام کی شفقت اسی شفقت الٰہیہ کا ظل ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تعلیم نہایت سہل ہے اور انبیاء علیہ السلام کی تعلیم بھی اسی واسطے سہل ہے کہ ان میں شفقت خداوندی کی جھلک موجود ہے۔

حق تعالیٰ کی شفقت کی ایک نظیر

دیکھئے ایک جگہ حق تعالیٰ کو اعمال صالحہ کا امر فرمانا منظور تھا مگر اس کو کس شفقت کے عنوان سے شروع فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ مقصود تو اشکرو اللہ تھا اور شکر سے مراد عبادت ہے کیونکہ خداتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اسکی عبادت کیجائے مگر اس حکم سے پہلے فرماتے ہیں كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی اے مسلمانو! ہم نے تم کو جو کچھ پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان کو کھاؤ پیو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ یعنی اور ان

نعمتوں کا کھاپی کر خدا کا شکر بھی کیا کرو۔ تو دیکھئے بلا تشبیہ یہ ایسی
ہی صورت ہے جیسے باپ کو یہ منظور ہو کہ بیٹے کا سبق سنے تو وہ اسکو
بلا کر کہتا ہے کہ آؤ بیٹا یہ لڈو مٹھائی کھالو ہم تمہارے واسطے لائے
ہیں پھر مٹھائی دیکر کہتا ہے کہ اچھا سبق تو سنادو ہم تمہیں پھر بھی مٹھائی
دیں گے وہی صورت یہاں ہے کہ پہلے تو پاکیزہ نعمتوں کے کھانے کا
حکم فرمایا اور عبادت کے بعد پھر بھی مٹھائی دینے کا وعدہ ہے وہ کیا
جنت۔ سبحان اللہ اس شفقت کی بھی کچھ انتہا ہے باپ کو تو بیٹے کے
سبق سنانے سے کچھ اپنی غرض بھی مدنظر ہوتی ہے وہ یہ امید کرتا ہے کہ
لڑکا لائق و فائق ہو جائے گا تو کچھ کمانے لگے گا اور بڑھاپے
میں میرے کام آئیگا۔ میری خدمت کریگا مگر حق تعالیٰ کو ہماری عبادت
سے کچھ بھی غرض نہیں عبادت کا جو کچھ نفع ہے ہمکو ہی ہے اور
اگر عبادت نہ کریں تو نقصان بھی ہمارا ہی ہے تمام مخلوق اگر عابد
زاہد ہو جائے تو خدا کی سلطنت و عظمت میں اس سے کچھ زیادتی
نہیں ہوتی اور اگر سارے سرکش ہو جائیں تو اسکی عظمت میں کچھ
کمی نہیں آتی۔ پس حق تعالیٰ کو انسان کے ساتھ جس قدر شفقت ہے
وہ محض بے غرض ہے پھر حق تعالیٰ حاکم بھی ہیں حاکم ہونے کی حیثیت
سے انکو اس کی کیا ضرورت تھی کہ اسطرح چمکار کر پھسلا کر حکم دیں
اگر وہ حاکمانہ طریق پر حکم دیدیتے کہ ہماری عبادت کرو ورنہ تمکو جیل
خانہ میں بھیج دیں گے تو اس سے ان کو کون سی چیز مانع تھی پھر حاکم

لیسے نہیں جیسے دنیا کے حکام ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ سلاطین دنیا کو
رعایا سے دبنا پڑتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس عالم میں ہر شخص محتاج
ہے سلاطین اپنی سلطنت کے بقا میں رعایا کے محتاج ہیں اگر رعایا
آمادہ بغاوت ہوجائے تو ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا ہے لیکن
حق تعالیٰ ایسا حاکم نہیں وہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے اسکی ایسی
سلطنت ہے کہ ایک ذرہ اسکی مشیت کے بغیر نہیں ہل سکتا اور
اگر تمام عالم آمادہ بغاوت ہوجائے تو وہ ایک دم میں سبکو ہلاک
کر کے دوسری مخلوق پیدا کرسکتا ہے اور اسکو اس کی بھی ضرورت
نہیں وہ اگر چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ سرکشی کر سکے چنانچہ ملائکہ کی
یہی شان ہے کہ وہ کسی وقت سرکشی نہیں کر سکتے اس نے بعض حکمتوں
کی وجہ سے انسانوں کو نافرمانی اور اطاعت دونوں کا اختیار اور
قدرت دیدی ہے لیکن اگر وہ چاہے تو اس قدرت کو سلب کر سکتا
ہے اور ہمارے سے ہی سرکش ہوجائیں تو ملائکہ انسان سے بہت زیادہ
ہیں وہ اسکی اطاعت بجالاتے ہیں اور اگر کوئی بھی مطیع نہ ہو تب بھی
اسکا کچھ ضرر نہیں اسکے تمام کمالات ذاتی ہیں کسی کی اطاعت و
نافرمانی سے کچھ بھی اثر نہیں پس حق تعالیٰ ایسے غنی ہیں کہ ان سے
زیادہ کوئی غنی نہیں مگر باوجود اس غنا کے اسدرجہ شفقت
ہے کہ باپ ماں کو بھی اولاد سے وہ شفقت نہیں جو حق تعالیٰ کو
اپنی مخلوق سے ہے کیونکہ باپ کو اولاد سے اضطراری شفقت

محبت ہے اور حق تعالیٰ اضطرار سے پاک ہے اسکو جو کچھ شفقت ورحمت ہے محض اختیاری ہے وہ خود چاہتے ہیں کہ مخلوق پر شفقت کریں اور باپ ماں کے چاہنے میں ان کے اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں بلکہ مجبور ہو کر شفقت کرتے ہیں پس ایسے غفار کامل کے ساتھ ایسی کامل شفقت عجائب میں سے ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۔ یعنی حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے اگر تم خدا کا شکر کرو یعنی ایمان کامل اختیار کرو سبحان اللہ اس آیت میں یہ لفظ مَا يَفْعَلُ بِعَذَابِكُمْ اس قابل ہے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے فرماتے ہیں کہ ہم کو تمہارے عذاب کرنے میں کیا نفع ہے ہم تو تم پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں مگر تم نافرمانی کر کے خود ہی عذاب کو مول لیتے ہو تو اس عنوان سے کس درجہ شفقت ٹپکتی ہے۔

ایک عام شبہ کا جواب

یہاں ایک ضروری تنبیہ بطور جملہ معترضہ کے ہے کہ بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ حق تعالیٰ کو مخلوق سے بے پروا یعنی بے توجہ سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے غنا کا ترجمہ غلط سمجھا۔ اسمیں تو شک نہیں کہ غنا حق تعالیٰ کی صفت یقیناً ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ و نیز وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۔ لیکن لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان آیات میں مستغنی

کے معنی وہ مراد لیتے ہیں جو ہمارے محاورہ میں مستعمل ہیں کہ ہمارے محاورہ میں مستغنی اسکو بھی کہتے ہیں جو دوسروں سے بالکل بے پرواہ ہو کسی کے نفع نقصان کی اسے رعایت نہ ہو حالانکہ مستغنی کے معنی آیات میں صرف یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کی احتیاج نہیں بس محتاج نہ ہونا اور بات ہے اور بے پرواہ ہونا اور رعایت مصالح نہ کرنا دوسری بات ہے غنا جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے معنی عدم احتیاج کے ہیں۔

قرآن، حدیث کا صرف ترجمہ دیکھنے والوں کی سخت غلطی

اور یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آجکل جو لوگ محض ترجمہ دیکھکر محقق بن جاتے ہیں وہ کیسا ستم ڈھاتے ہیں پھر غضب یہ کہ یہ لوگ ترجمہ دیکھ کر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور معارضہ میں کہتے ہیں کہ صاحب مشارق الانوار میں تو یہ لکھا ہے مظاہر حق میں یہ لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ اسمیں وہی لکھا ہے جو محقق بیان کرتا ہے مگر تم ترجمہ دیکھکر اسکی حقیقت کو نہیں سمجھے بس اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کتابیں دیکھ دیکھ کر طبیب حاذق کے نسخوں میں مزاحمت کرنے لگے اسکو یہی جواب دیا جائے گا کہ تم نے صرف کتابیں دیکھی ہیں مگر فن کی حقیقت تمکو معلوم نہیں اس لئے طبیب کی رائے میں تمکو دخل دینے کا کوئی حق نہیں اسی طرح جو لوگ محض ترجمے پڑھکر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں وہ بھی اسی جواب کے مستحق ہیں۔

چنانچہ ان لوگوں نے غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ حَمِیْدٌ وَاسْتَغْنَی اللّٰہُ کا
ترجمہ دیکھکر اتنی بات سمجھی کہ حق تعالیٰ مستغنی ہیں مگر اسکی حقیقت
ان کو معلوم نہیں ہوئی وہ یہ سمجھے کہ جسطرح ہمارے محاورہ میں
کہدیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت ہی آزاد اور مستغنی المزاج ہے
یعنی کسی کے نفع و نقصان کی پروا نہیں کرتا یہی معنیٰ خدا کے
مستغنی ہونے کے بھی ہیں حالانکہ یہ معنیٰ دوسری نصوص کے اور نیز
دلائل عقلیہ کے بالکل خلاف ہیں اگر مستغنی ہونے کے یہ معنی ہوں
تو ان نصوص کا کیا مطلب ہے جنمیں حق تعالیٰ کی شفقت و رحمت
کا ذکر ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر ایسی شفقت ہے کہ ماں
باپ کو بھی اولاد پر ایسی شفقت نہیں ہو سکتی تو یہ خرابی کہاں کی
ہے یہ خرابی اسکی ہے کہ ان لوگوں نے لفظ تو عربی لیا اور معنی اردو
محاورہ کے موافق لئے۔ حالانکہ ہر لفظ کے معنی اسی زبان کے موافق
کرنے چاہئیں جس زبان کا وہ لفظ ہے مگر آجکل بکثرت لوگ اس
غلطی میں مبتلا ہیں چنانچہ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ
سے بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ فرماتے
ہیں کہ انھوں نے بھی مکر کیا اور خدا نے بھی مکر کیا اور خدا سب سے بہتر
مکر کرنے والا ہے۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اس سے خدا
کا نعوذ باللہ (مکار) ہونا لازم آتا ہے۔ تو منشا اس اشکال
کا صرف یہی ہے کہ انھوں نے عربی لفظ کا ترجمہ اردو محاورہ کے

موافق کیا اردو میں مکر کرنا فریب دینے کو کہتے ہیں جو کہ عیب کی صفت ہے اگر یہ لوگ اس عربی لفظ کا ترجمہ محاورہ عربیہ کے موافق کرتے تو اشکال کچھ بھی نہ تھا عربی میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے بھی آتے ہیں اور تدبیر خفی کرنا یہ عیب نہیں بلکہ صفت کمال ہے ترجمہ آیت یہ ہوا کہ کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیواسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ نے ان کے بچانے کے واسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ سب مخفی تدبیر کرنیوالوں میں بہتر ہے کہ کسی کی تدبیر اسکی تدبیر پر غالب نہیں آسکتی اس ترجمہ کے بعد کچھ بھی اشکال نہیں۔ اسی طرح ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھکو کچھ پوچھنا ہے مگر اول اس آیت کا ترجمہ کردو وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ میں نے کہا کہ اس کا ترجمہ یہ ہے اور پایا خدا نے آپ کو ناواقف[۱] پس واقف بنادیا۔ سنکر میرا منہ دیکھنے لگے میں نے کہا کہ جو پوچھنا ہو پوچھئے کہنے لگے کہ اب تو کچھ بھی نہیں رہا میں نے کہا کہ کیا آپ مجھ سے یہ امید کرتے تھے کہ میں اس جگہ ضالًّا کا ترجمہ گمراہ سے کرونگا بعض تراجم میں گمراہ سے ترجمہ کیا ہے جس سے لوگوں کو اشکال پڑ جاتا ہے لیکن ان حضرات پر کوئی الزام نہیں ممکن ہے اسوقت گمراہ کے معنی ناواقف بھی مستعمل ہوتے ہیں جیسا کہ عربی میں ضلالت کے معنی غیبت اور فقدان کے بھی آتے ہیں چنانچہ کھوئی ہوئی چیز کو ضالّۃ کہتے ہیں جسکے معنی مفقود الخبر کے ہیں اسیطرح ضالّ کا اطلاق

[۱] جسکا پتہ نہ ہو ۱۲

فاقد الخبر بھی آتا ہے جسکا ترجمہ ناواقف ہے۔ لیکن اب فارسی و
اردو کا محاورہ بدل گیا اب گمراہ اسے کہتے ہیں جو باوجود راستہ
جاننے کے ٹیڑھے راستہ پہ چلے آجکل بیخبر اور ناواقف کو گمراہ نہیں
کہتے اس لئے اب گمراہ سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا نبوت سے پہلے بعض علوم سے ناواقف ہونا کچھ عیب نہیں کیونکہ
ظاہر ہے کہ جو علوم نبوت کے بعد آپکو عطا ہوئے نبوت سے پہلے
آپ اُن سے ناواقف تھے اگرچہ اس وقت بھی دنیا بھر کے عقلاء سے
زیادہ آپ واقف کار تھے لیکن علوم قرآن و احکام سے تو بخبر دار نہ تھے
یہ علم تو نبوت کے بعد ہی آپکو حاصل ہوا۔ اسی کو حق تعالیٰ دوسری جگہ
ارشاد فرماتے ہیں۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا
اَوْ مِنْ وَّرَاۤئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا
يَشَاۤءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ
اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ
لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (ترجمہ) اور کسی بشر کی (بحالت
موجودہ) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام فرمائے مگر
(تین طرق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ
کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام
پہونچا دیتا ہے بیشک وہ بڑا عالیشان بڑی حکمت والا ہے اسی طرح

(یعنی اسی قاعدہ کے موافق) ہم نے آپ کے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (اور اسکے قبل) آپکو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (و معرفت کا اعلیٰ درجہ جو کہ اب آپکو حاصل ہے وہ) کیا چیز ہے (گو نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے) ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جسکے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اسمیں شک نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگوں کو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں (سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵) پس وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى میں ضال کے معنی وہی ہیں جو اس آیت ہیں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ الخ سے معلوم ہوتا ہے یعنی خدا کی تعلیم وہدایت سے پہلے آپ ان علوم سے بے خبر تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی نقص نہیں بلکہ عین کمال ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے انبیاء کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا نہ اُن کے پاس کمالات بدون امداد الٰہی کے ہوسکتے ہیں گو ہمکو ایسا کہنا زیبا نہیں کہ انبیاء کے پاس کچھ کمالات نہ تھے کیونکہ اس سے ایہام بے ادبی کا ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کے ذمہ تو حضورؐ کا ادب لازم نہیں آپ تمام عالم کے سردار اور سب سے افضل ہیں مگر حق تعالیٰ کے تو بندے ہی ہیں اسلئے حق تعالیٰ آپکو ناواقف اور بے خبر جو چاہیں کہہ سکتے ہیں تو دیکھئے

اس سائل کو حقیقت نہ معلوم ہونیکی وجہ سے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی میں اشکال پڑا کیونکہ اس نے ترجمہ میں گمراہ کا لفظ دیکھا اور اس سے وہ معنی سمجھا جو آجکل کے محاورہ میں گمراہ کے معنی ہیں اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ترجمہ عوام کو خود نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ علماء سے پڑھنا چاہیئے ورنہ ایسے ایسے اشکالات ترجمہ دیکھنے سے پیدا ہوں گے جن کا جواب عوام کے ذہن میں نہ آئے گا چنانچہ قرآن میں حق تعالیٰ کی صفت استغناء کو دیکھ کر بعض لوگ یہی سمجھے کہ حق تعالیٰ ایسے مستغنی ہیں جیسے ہمارے محاورہ میں کسی کو مستغنی کہا کرتے ہیں حالانکہ استغناء کے معنی عربی میں یہ ہیں کہ اسکو کسی کی حاجت نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہمارے محاورہ میں مستغنی اسے بھی کہتے ہیں جسے کسی کے نفع وضرر کی پروا نہو۔ اب لوگ غضب کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو باین معنی بھی غنی سمجھتے ہیں چنانچہ ایسے مقام پر اس صفت کو استعمال کرتے ہیں جہاں سوا اس کے اور کچھ معنی ہو ہی نہیں سکتے۔

اللہ تعالیٰ پر ایک اعتراض کی اصلاح

مثلاً کوئی شخص جوانی کی حالت میں مرجائے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائے اب لوگ اسکی تعزیت میں جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ ہائے نوجوان موت مرگیا ابھی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا دوسرے صاحب بولے کہ واقعی بہت ہی

بوقت موت آئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کی تعلیم وتربیت کا کون انتظام کریگا زمینداری اور ریاست کو کون دیکھے بھالے گا اس کے تیسرا کہتا ہے کہ ارے بھائی خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے وہ بڑا مستغنی ہے اب ایسے موقع پر اس کلام کے معنی سوا اسکے اور کیا ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کو کسی کے نفع ضرر کی پرواہ نہیں کسی کی مصلحت و حکمت پر نظر نہیں بس شاہ اودھ کی طرح بیوجہ حکم دیدیا کہ فلاں شخص کو مار دو اور آنچ نہ لگاؤ مارشل لا جاری کردو نہ اسکی بیوی کا خیال ہے نہ بچوں پر رحم ہے نعوذ باللہ منہ واللہ میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سخت بے ادبی کا کلمہ ہے مگر لوگوں کو ذرا اس پر توجہ نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں صاحبو! خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی رحیم و کریم نہیں اُن کی برابر کسی کو شفقت نہیں ہوسکتی۔

حق تعالیٰ کی بے پناہ شفقت کی دلیل

حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ایک حصہ تو اس نے دنیا میں ظاہر کیا جسکا یہ اثر ہے کہ ماں باپ کو اولاد سے دوست کو دوست سے جانوروں کو اپنے بچوں سے محبت و شفقت ہوتی ہے اور ننانوے ۹۹ حصے خدا تعالیٰ کے پاس ہیں کہ ان میں سے مخلوق کو کچھ حصہ نہیں دیا اب آپ غور کریں کہ جس رحمت کے ایک حصہ کا یہ اثر ہے جو دنیا میں ہمکو نظر آرہا ہے کہ باپ ماں اس کی وجہ سے اپنے بچہ کی تکلیف کو نہیں

دیکھ سکتے تو خدا تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا کیا ٹھکانا ہے جسکی رحمت سے اسکو وہ نسبت ہے جو سو سے ایک کو حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ ننانوے حصوں کے ساتھ اس ایک حصہ کو شامل کر کے سو حصہ رحمت سے مسلمانوں کے ساتھ پیش آئیں گے۔ بخدا اسوقت ہم اس رحمت کا اندازہ ہرگز نہیں کر سکتے یہ تو آخرت کی رحمت کا حال ہے رہی دنیا میں حق تعالیٰ کی رحمت سو اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جس کسی کے اندر رحمت کا کچھ اثر ہے یہ خدا کی رحمت کے اس ایک حصہ کا ظل ہے جو اس نے دنیا میں ظاہر کی ہے تو خود اصل کی کیا حالت ہوگی پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت اسدرجہ بڑی ہے کہ مخلوق کی رحمت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ کیا یہ رحمت ہی نہیں کہ ہم لوگ رات دن گناہ اور نافرمانی میں مبتلا ہیں اور حق تعالیٰ ہمکو عذاب سے ہلاک نہیں فرماتے بلکہ برابر اسباب حیات و سامانِ راحت عطا فرماتے رہتے ہیں چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور اگر حق تعالےٰ لوگوں سے ان کے افعال پر مواخذہ کرنے لگے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن وہ ان کو ایک میعاد معین تک ڈھیل دے رہا ہے

ایک مشہور اشکال کا جواب اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ گناہ تو انسان و جن کرتے ہیں

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مواخذہ کے وقت زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑا جاتا۔ آخر حیوانات کی کیا خطا ہوتی وہ تو مکلف نہیں ہیں سو بات یہ ہے کہ مواخذہ کے وقت انسان وجن تو گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیے جاتے ہیں کہ وہ محض مکلفین کی خدمت کیلئے پیدا کیے گئے ہیں جب مکلفین باقی نہ رہتے تو حیوانات کی بقاء کی ضرورت نہ رہتی اس لئے سبھی ہلاک کر دیے جاتے رہا یہ کہ بعض لوگ تو نیک کام کرتے ہیں وہ کیوں ہلاک ہوتے ہیں سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں وہ بھی گناہوں سے بچے ہوئے نہیں ماسوا انبیاء علیہم السلام بس یا تو وہ اس سے مخصوص ہیں یا یہ کہا جاوے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں تشریف رکھنا صرف ہدایت مکلفین کے لئے ہے جب یہ نہ رہتے تو یہ حضرات آخرت میں رہتے مگر یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان گناہوں پر مواخذہ نہیں فرماتے تنبیہ کا مضمون ختم ہوا اصل مضمون یہ تھا کہ حق تعالیٰ تعلیم میں بندوں پر کس قدر شفقت کی رعایت فرماتے ہیں چنانچہ اس کی فرع یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو ایسے کاموں کا مکلف نہیں بنایا جو ان پر دشوار ہوں بلکہ بہت سہل سہل احکام مقرر فرمائے ہیں صاحبو ہم چار روپئے کے نوکر سے وہی کام لیتے ہیں جو حق تعالیٰ نے باوجود تواتر نعم کے ہم سے نہیں لئے چار پانچ روپئے ماہوار پر اگر آپ کسی نوکر رکھیں تو وہ تمام دن کیلئے آپ کا پابند ہو جاتا ہے اور دن

اور حیوانات کی ہلاکت کی وجہ

؎ اس زمانہ کے چار روپئے موجودہ زمانہ کے ڈھائی سو کے برابر ہیں تخمینہ دیپے نعتوں

پھر جو چاہیں آپ اس سے خدمت لیتے ہیں کسی کام سے انکار کا اسکو حق نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ نے آپ کو دن رات میں پانچ نمازوں کا مکلف کیا ہے جنمیں مجموعی طور پر ایک گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا پھر یہ بھی حقیقت میں تمہارا ہی کام ہے خدا کا کام نہیں وہ ہماری نمازوں سے مستغنی ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ　　وز گراں جانی و چالاکی ہمہ

یعنی حق تعالیٰ ناپاکی سے تو پاک ہیں ہی وہ ہماری بیان کی ہوئی پاکی سے بھی پاک ہیں یعنی سبحان اللہ والحمد للہ میں جو تم کہتے ہو کہ خدائے تعالیٰ پاک ہیں تو وہ تمہاری اس پاکی بیان کرنے سے بھی پاک ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاکی ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتی بس اس صورت میں ہماری تنزیہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ ؎

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست　　این نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

یعنی ہم جو خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کی تعریف میں یہ کہے کہ وہ جولاہہ نہیں ہے ظاہر ہے کہ اس تعریف کو بادشاہ کی تعظیم سے کچھ بھی نسبت نہیں بعینہٖ یہی مثال ہماری تسبیح و تحمید کی ہے حق تعالیٰ کی حقیقی پاکی ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی مگر بایں ہمہ حق تعالیٰ کی رحمت و شفقت ہے کہ ہماری طاعت و ذکر کو قبول فرما لیتے ہیں اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کی تعریف اسطرح کرنے لگے کہ حضور کی بہت بڑی شان ہے آپ نہ جلاہے ہیں نہ نہ ہیں

تو پھر دیکھو اسکی کیا گت بنتی ہے مگر حق تعالیٰ ہماری تسبیح و تحمید کو قبول فرما لیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسی ہی تعریف ہے بس ہمارے ذکر و طاعت کی قبولیت کی یہ مثال ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

ایں قبولِ ذکرِ تو از رحمت است　　چوں نمازِ مستحاضہ رخصت است

یعنی جیسے مستحاضہ عورت جسکو ہر وقت خون آتا رہتا ہے شریعت نے اسکو معذور سمجھکر حکم دیا ہے کہ اسی حال میں نماز پڑھتی رہے خون ٹپک رہا ہے کپڑے اور بدن ناپاک ہیں مگر اس حالت میں بھی اس کو دربار میں آنیکی اجازت ہے کچھ ٹھکانا ہے شفقت کا۔ بس یہی مثال ہمارے ذکر و طاعت کی ہے کہ ہم باطنی ناپاکیوں میں ملوث ہیں مگر رحمت کی وجہ سے قبول فرما لیتے ہیں۔ ایسی شفقت ہے کہ کوئی کیسا ہی گنہگار ہو مگر ہر وقت اسکو دربار میں آنے کی اجازت ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہِ ما درگہ ناامیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

توبہ کر لے توبہ تو جیسا کچھ ہے توبہ کر لے اگر کافر یا آتش پرست یا بت پرست بھی ہے تب بھی توبہ کر لے سب معاف ہے کیونکہ ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے اگر سو بار تو نے توبہ توڑی ہے پھر سچے دل سے توبہ کر لے سب معاف ہے۔

اگر دن میں سو مرتبہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرنا چاہے تب بھی اس کو اجازت ہے کہ دربار میں آجائے اور توبہ کر کے پاک و صاف

ہو جائے۔ دنیا میں کسی حاکم کی بلکہ اپنے باپ کی بھی ایک بار سرکشی کر کے پھر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے مگر وہاں سو بار ہزار بار سرکشی کرنے کے بعد بھی فرماتے ہیں کہ آجاؤ ہم سب معاف کردیں گے۔ اس قدر استغنا کے ساتھ یہ شفقت نہایت عجیب ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں اُشْكُرُوا اللهَ سے پہلے كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ فرمایا یہ بھی اسی شفقت سے ناشی ہے پھر اسمیں دوسری شفقت یہ ہے کہ عبادت کو شکر سے تعبیر کیا اعبدوا اللہ نہیں فرمایا بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آخر تم پر بہت انعامات کئے ہیں تمہارے لئے پاکیزہ نعمتیں کھانے پینے کو پیدا کی ہیں تم ہماری نعمتوں میں سرتاپا غرق ہو گیا اسکی قدر ضروری نہیں کیا نعمت کا شکر ادا کرنا عقلاً ہر شخص کے نزدیک ضروری ہے حق تعالیٰ کو یہ بھی حق تھا کہ ہم کو صاف صاف فرما دیتے کہ تم کو ہماری عبادت کرنا چاہیئے مگر غایت شفقت کی وجہ سے یہ عنوان یہ اختیار فرمایا کہ تمہارے اوپر ہمارے بہت سے انعامات ہیں ان کے شکریہ میں کچھ ہمارا بھی کام کرلو پھر تیسری شفقت یہ ہے کہ حقیقت میں عبادت کرنا ہمارے ہی واسطے نافع ہے خدا کو اسکی کچھ بھی ضرورت نہیں پس واقع میں وہ ہمارا ہی کام ہے مگر شفقت کی وجہ سے اس کو اپنا کام کہہ دیا۔ جیسے باپ بیٹے سے کہا کرتا ہے کہ ہم تم کو مٹھائی دینگے

لازم تو نہیں ۔ یہ ایسا عنوان ہے جس کو ہر شخص خود سمجھ لیتا ہے ۱۲

لے پیدا ۱۲

تم ہمارا ایک کام کردو وہ یہ کہ سبق سنادو۔ حالانکہ سبق سنانا اسی کا کام ہے اسی کے نفع کی چیز ہے۔ غرض حق تعالیٰ کی تعلیم کے سہل ہونے کی لم یہ ہے کہ ان کو اپنے بندوں کے حال پر شفقت بہت زیادہ ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام میں یہی شفقت اسی طرح جھلک رہی ہے جیسے آئینہ میں نور آفتاب جھلکتا ہے اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی بہت سہل ہوتی ہے انبیاء کی بالکل ایسی مثال ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

آئینۂ ناسوت میں مجھ کو طوطی کی صفت پر پیدا کیا ہے کہ جو کچھ استادِ ازل حق تعالیٰ نے فرمایا میں وہی کہہ دیتا ہوں ۱۲

پھر انبیاء میں جو سب سے اکمل ہیں انہیں ظہورِ صفات بھی اکمل ہوتا ہے اس لئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں شفقت و سہولت سب سے کامل ہے اور منافع بھی آپکی تعلیم میں بہ نسبت دوسروں کی تعلیم کے زیادہ ہیں چنانچہ اسوقت جو ارشاد حضور ؐ کا میں نے بیان کے لئے اختیار کیا ہے۔ وہ بظاہر ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے بجالانے میں جو منافع ہیں اور ترک میں جو مضار ؎ ہیں ان کو معلوم کر کے اس کی ضرورت واہمیت ظاہر ہو گی پھر جب اس پر نظر کیجائیگی

؎ نقصانات ۱۲

کہ ہم لوگ اس کی طرف سے کسقدر بے التفاتی برت رہے ہیں تو اس سے اس کی ضرورت اور زیادہ مؤکد ہو جاوے گی۔

اصلی مضمون وعظ

اب سمجھنا چاہیے کہ ہم لوگ جن گناہوں کو چھوڑے ہوئے ہیں ان میں بعض تو اس لیے متروک ہیں کہ وہ ہماری وضع کے خلاف ہیں مثلاً چوری کرنا۔ زناکاری کرنا۔ غصب کرنا۔ یہ ایسے کام ہیں جو محض اپنی شریفانہ وضع کی رعایت سے اکثر لوگ نہیں کرتے اور جو کام ہماری وضع کی خلاف نہیں گو شرعاً ان کا ارتکاب کتنا ہی گناہ عظیم ہو انہیں اکثر لوگ مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اندر بعض گناہوں کے نہ ہونیکا سبب خوف خدا نہیں ہے اور جو لوگ خوف خدا کی وجہ سے بھی گناہ چھوڑتے ہیں وہ بھی اکثر سید گناہوں کو نہیں چھوڑتے بس وہ نماز پڑھ لیں گے زکوٰۃ دیدیں گے تو اپنے نزدیک جنید ہوگئے اور حج کر لیا تو جنید سے بھی بیر ہو گئے بس انھوں نے ان ہی اعمال کو ضروری سمجھ لیا ہے باقی اعمال کی ان کو پرواہی نہیں۔ دل میں کبر وریا بھری ہوئی ہے رضا بالقضاء نہیں ہے خدا کے ساتھ محبت نہیں معرفت نہیں جاہ طلبی وحسد دل میں موجود ہے مگر وہ بےفکر ہیں حالانکہ حکم یہ ہے وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑو یہ لوگ محض ظاہر کو سنوارتے ہیں

ل ایک بڑے بزرگ کا نام ۱۲ سے اصطلاح تصوف میں رضا بالقضاء یہ ہے کہ اللہ کے ہر فیصلہ سے خود بخود دل راضی رہے ۱۲ عقیس

باطن کی اصلاح کا اہتمام نہیں کرتے بس وہ حال ہے ؂

از برون طعنہ زنی بر بایزید
وز درونت ننگ میدارد یزید

از برون چوں گور کافر پر حلل
واندروں قہر خدائے عزوجل

ظاہر ایسا شاندار کہ اس پر بایزید پر طعنہ زنی کرتا ہے اندر تیرا باطن ایسا گندہ کہ یزید بھی شرماتا کہ میں بھی ایسا نہ تھا۔ باہر سے تو ایسا مزین جیسے کافر انگریز کی قبر ہوتی ہے لیکن اس کے اندر حق تعالیٰ کا قہر بھرا ہوتا ہے یہی تیرا حال ہے کہ اندر سے اخلاق خبیثہ سے بھرے ہوئے ہیں۔

بس ہماری حالت ہے کہ اوپر سے اپنے آپ کو سنوار رکھا ہے اور کپڑا اٹھا کر دیکھو تو گو در گو ہو رہے ہیں۔

ایک بزرگ کی ناصحانہ حکایت

ایک بزرگ نے ایک جوان کو دیکھا کہ اکڑ کر چل رہا ہے آپ نے اس کو ٹوکا کہ ذرا سنبھل کر چلو وہ کہنے لگا کہ تم جانتے نہیں ہم کون ہیں فرمایا ہاں میں خوب جانتا ہوں کہنے لگا بتلاؤ کہ تم کیا جانتے ہو آپ نے فرمایا اَوَّلُکَ نُطْفَۃٌ مَذِرَۃٌ وَ اٰخِرُکَ جِیْفَۃٌ قَذِرَۃٌ وَاَنْتَ بَیْنَ ذٰلِکَ تَحْمِلُ الْعَذِرَۃَ کہ تمہاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمہاری انتہا سڑی ہوئی لاش ہے کہ مرنے کے بعد تمہارے اندر ہزاروں کیڑے پڑ جائیں گے اور مردہ لاش میں ایسی بدبو آوے گی کہ کوئی پاس بھی نہ پھٹک سکے گا اسی لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ مر جانے کے بعد دفن کریں

جلدی کرو شریعت کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان مردہ کو ایسی حالت میں اپنے سے جدا کیا جائے کہ کوئی بات موجب نفرت اسکے اندر نہ پیدا ہو دیر کرنے میں اندیشہ ہے کہ لاش پھول جائے اس میں سے بدبو آنے لگے اور اس حالت کو دیکھکر لوگ اسکو حقارت سے دیکھیں اور یہ نفرت ظاہر کرنے لگیں تو یہ اکرام میت کے منافی ہے غرض یہ ہماری انتہائی حالت ہے جسمیں بڑے سے بڑا عاشق بھی ہماری لاش کو جلدی دفن کرنا ہی چاہے گا۔ اور درمیانی حالت یہ ہے کہ تم ہر وقت گو کا ٹوکرا ساتھ لئے پھرتے ہو کیونکہ تمہارے پیٹ کے اندر نہ معلوم کتنے سیر پاخانہ بھرا ہوا ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنا دیا ہے کہ اس میں پاخانہ بھرا ہوا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ واقعی اگر امعاء[1] میں قوت ماسکہ نہ ہوتی جسکی وجہ سے وہ پاخانہ کو روکے رہتی ہے اور ایک معین وقت میں سارے کو باہر نکالدیتی ہے تو ہماری کیسی بری گت بنتی بس ہر وقت موری سے پاخانہ بہا کرتا چنانچہ جب کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے یہ قوت ماسکہ کمزور ہو جاتی ہے تو اس شخص کے تیماردار بھی گھبرا جاتے ہیں سارا گھر بدبو سے سڑ جاتا ہے۔ سارے گھر میں ایک موری کی وجہ سے سڑاند پھیل جاتی ہے تو یہ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نے امعاء میں قوت ماسکہ رکھدی ورنہ

لہ امعاء : آنتوں ۱۲

ہر وقت نجاست بہا کرتی۔ پھر دیکھو انسان کے بدن میں ہزاروں مسامات ہیں جن سے پسینہ نکلتا ہے یہ خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ان مسامات سے پاخانہ کا عرق کبھی باہر نہیں آتا اگر مسامات سے پاخانہ نکلا کرتا تو زندگی موت ہوجاتی تو محض خدا کی رحمت کی وجہ سے آپ بنے ٹھنے پھرتے ہیں ورنہ میاں کے اندر اتنا پاخانہ بھرا ہوا ہے کہ اگر وہ ہر وقت نکلنے لگے اس وقت اس زینت و آرائش کی ساری مٹی پلید ہوجائے۔ غرض ان بزرگ نے خوب جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں تو کون ہے بس تیری حقیقت تو یہ ہے کہ آگے خدا کی ستاری ہے کہ اس نے تیرے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنادیا ہے تو کیا اس نعمت کا یہی شکریہ ہے کہ تو فرعون کی طرح اکڑ کر چلے صاحبو! جس طرح ہمارا ظاہر ناپاک ہے مگر خدا کی رحمت سے وہ پاک معلوم ہورہا ہے اسی طرح ہمارا باطن بھی ناپاک ہے جس کی اطلاع خدا ہی کو ہے یا ہم کو ہے دوسروں کو کچھ خبر نہیں کہ ہمارے دل میں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے بخدا اگر دلوں کی گندگی کی بدبو محسوس ہونے لگے تو پاخانہ کی بدبو اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہ رہے اور بعض لوگوں کو محسوس ہوتی ہے وہ ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ بھی رحمت الٰہی ہے کہ اس گندگی بدبو ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی جس سے لوگ اپنے آپ کو پاک وصاف اور ستھرا سمجھنے لگے۔ صاحبو! تم کو زکام ہورہا ہے اس سے تم کو یہ بدبو محسوس نہیں

ہوتی کبھی صحیح الدماغ کو اپنا حال دکھلاؤ وہ بتلا دے گا کہ تمہارے دل میں کتنی گندگی ہے جس کی بدبو سے اس کا دماغ پریشان ہو گیا کوئی مولانا یا کوئی شیخ اس پر مغرور نہ ہوں کہ لوگ ہم کو اچھا سمجھتے ہیں ہماری تعظیم و تکریم کرتے ہیں تو ہم واقع میں بھی ایسے ہی ہیں یقیناً وہ حال سے خالی ہیں یا تو وہ مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں یا لوگ ان کے ظاہری طرز اور عبادت و مجاہدات کی وجہ سے ان کو بزرگ سمجھنے لگے دل کی کسی کو خبر نہیں کہ یہ سارا ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے یا کچھ اخلاص بھی ہے مگر یاد رکھو خدا کے سامنے یہ دھوکہ نہ چل سکیگا مولانا فرماتے ہیں ؎

الصلا ای تشنگی از بہر نان ہے طمع پیش آور اللہ را بخواں
خلق کا تیر هم کہ بہر ہمی را تمام در غلط اندازی تا بر خاص و عام
کار ہا با خلق آری جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کار با او راست باید داشتن ! رایت اخلاص و صدق افراشتن

از بہر نان پر مجھے یاد آیا کہ ایک مولوی کانپور میں آئے ان کا کرتہ پھٹا ہوا تھا نئے کرتہ کی ضرورت تھی آپ نے کیا حکمت کی کہ ایک رئیس کے یہاں مولود پڑھنے گئے وہاں کسی شعر پر آپ نے وجد ظاہر کیا اور کرتہ چھر چھر پھاڑ ڈالا اب اس بیچارہ رئیس کو غیرت آئی کہ مولانا صاحب میرے گھر پر کرتہ چاک کرائیں اور یہاں سے ننگے تشریف لیجا دیں اس نے فوراً نوکر کو بزاز کے یہاں بھیجا دو

ان کے واسطے ایک تھان منگایا فوراً کرتے قطع ہوئے اور ایک کرتہ اُن کو پہنایا باقی کرتے بھی شاید انھیں کے حوالے کر دیئے تھے۔ اسکو مولانا فرماتے ہیں ؎ الله الله می زنی از بہرِ نان۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ و پند میں اثر نہیں عوام بھی سمجھ گئے کہ یہ سارا وجد نیا کرتہ لینے کے واسطے تھا پھر ایسی حالت میں ان پر کیا خاک اثر ہو غرض مخلوق کو بہت دھوکا دیا جارہا ہے ظاہر میں وجد و حال کی صورت بنائی جاتی ہے۔ ہزار دانوں کی تسبیح ہاتھ میں رکھی جاتی ہے اور باطن میں ریا اور حُبِّ جاہ بھری ہوئی ہے۔ مگر حق تعالےٰ کے یہاں یہ دھوکا نہ چل سکے گا۔ لیکن اس سے وہ لوگ خوش نہ ہوں جو کچھ بھی نہیں کرتے کہ ہم ریا سے محفوظ ہیں کیونکہ ہم ذکر ہی نہیں کرتے جو ریا پیدا ہو سو خوب سمجھ لو کہ تم ان سے اچھے نہیں۔ کیونکہ وہ ذکر تو کرتا ہے گو ریا ہی سے سہی اور تم تو اتنا بھی نہیں کرتے پھر اگر ریا سے بھی ہو تو چونکہ وہ ایک روز مبدل بہ اخلاص ہو جاتا ہے ایک دن اپنا کام کر جاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی قابلِ قدر تحقیق

چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ریا سے ذکر کرتا ہو تو اُسے حقیر نہ سمجھو کیونکہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی وہ اولاً ریا ہوتی ہے پھر کرتے کرتے عادت ہو جاتی ہے اور عادت کے بعد پھر نہ اسکو دکھلاوے

کا خیال رہتا ہے نہ لوگوں کو وہ عمل ریا معلوم ہوتا ہے اس لیے
عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر اس میں خلوص بھی پیدا ہو جاتا
ہے۔ سبحان اللہ واقعی یہ حضرات حکماء ہیں کسی نے افلاطون کو
خواب میں دیکھا تھا۔ اس سے ارسطو اور جالینوس وغیرہ کے
متعلق پوچھا کہ یہ لوگ فلسفی تھے کہا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں
پھر جنید رح اور بایزید بسطامی رح وغیرہ کے متعلق پوچھا کہا
اُولٰئِكَ هُمُ الْفَلَاسِفَةُ حَقًّا یعنی سچے فلسفی یہی لوگ ہیں
واقعی حکمت اسلامی کے مقابلہ میں حکمتِ یونان کی حقیقت ہی کیا
ہے کچھ بھی نہیں سچے فلسفی اور حکیم یہی لوگ ہیں یعنی صوفیہ
کرام چنانچہ دیکھیے حضرت حاجی صاحب نے ریا کے متعلق
کیسا عجیب مضمون بیان فرمایا جس سے ریا کا علاج بہت ہی سہل
ہو گیا کہ جس کام میں ریا کا خیال آتا ہو اسکو بکثرت کرنا چاہیے
اور ریا کی پرواہ نہ کرنا چاہیے۔ البتہ عقلاً و عقیدۃً اسکو برا سمجھتے
رہنا چاہیے پھر کرتے کرتے وہ خود ہی عادت اور عادت سے
عبادت ہو جائے گی۔ یہ ایسی حکمت ہے کہ حکماءِ یونان کو اسکی
ہوا بھی نہیں لگی اسی کے مناسب یہ مضمون ہے کہ بعض لوگوں
کو ذکر میں یہ شکایت پیش آتی ہے کہ ہمکو حضورِ قلب نصیب نہیں ہوتا
وساوس و خطرات ہجوم کرتے ہیں اس کا بھی یہی علاج ہے یہ ذکر
کرتے رہنا چاہیے اول اول محض ذکر لسانی ہوتا ہے پھر کرتے کرتے

حضور حاصل ہو جاتا ہے اسم سے مسمی کی طرف انتقال خود بخود ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

مست ولا یعقل نہ از جام ہو | اے نہ ہو قانع شدہ بر نام ہو

تو جام ہو سے مست و دیوانہ نہیں ہوا۔ اے سالک کہ تو نے ذات سے صرف اسم پر قناعت کر رکھی ہے ۱۲

یہ تو شکایت ہے پھر اس سے اضرابکے طور پر فرماتے ہیں ؎

از صفت وز نام چہ زاید خیال | واں خیالت ہست دلالِ وصال

یعنی خدا کا نام لیتے لیتے اول ایک خیال قائم ہو جاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ صاحبو! خدا کے نام سے اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ مٹھائی اور کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو خدا کا نام کیا اس سے بھی کم ہو گیا۔ ہرگز نہیں اس سے بھی ضرور ایک دن دل پر اثر ہو گا۔ کام میں لگا رہنا چاہیے گھبرانا نہ چاہیے کھٹائی کے نام سے منہ میں پانی بھر آنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی

شہزادہ دہلی کی ایک حکایت

ایک بادشاہ نے شاہزادہ کو روزہ رکھوایا تھا اور روزہ کشائی کی رسم کیلئے بڑے پیمانہ پر دعوت کا انتظام کیا تھا لڑکے نے شام تک تو صبر کیا لیکن عصر کے بعد اس سے نہ رہا گیا مارے پیاس کے بیتاب ہو گیا اور مچلنا شروع کیا بادشاہ نے اطبا کو بلایا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس کی پیاس کو بھی تسکین

ہوجائے اور روزہ بھی نہ جائے ورنہ سارا کیا کرایا سامان برباد ہوجائے گا سب اطبا اس کے علاج سے عاجز ہو گئے ایک غیر مشہور طبیب کی سمجھ میں ایک نسخہ آیا اس نے عرض کیا کہ حضور میں اسکا علاج کروں گا آپ چند لڑکوں کو بلا یئے اور تھوڑے سے لیموں منگا دیجیئے چنانچہ فوراً انتظام کیا گیا اس نے لڑکوں سے کہا کہ شاہزادہ کے منہ میں رطوبت کے دریا پیدا ہو گئے طبیب نے کہا اس رطوبت کو نگلنا شروع کرو۔ لعاب دہن کے نگلنے سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا اس نے لعاب کو نگلنا شروع کیا بس پیاس کو فوراً تسکین ہو گئی بادشاہ اس تدبیر سے بہت خوش ہوا اور طبیب کو بہت کچھ انعام دیا بس جب لیموں کے نام میں یہ خاصیت ہے تو خدا کے نام میں کیوں یہ خاصیت نہ ہو گی کہ اس سے دل بھر آئے۔ الغرض ریا کا قصد تو نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر ایک دن میں زائل نہ ہو تو ذکر کو چھوڑنا بھی نہ چاہیئے کرتے رہنا چاہیئے۔ رفتہ رفتہ ریا خود زائل ہو جائیگی وہ خدا کا نام تمکو انشاء اللہ خدا ہی تک پہونچا دیگا۔ نہ ہونے سے ذکر کا ہونا بہر حال اچھا ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی شیخ صاحب یا مولانا صاحب مخلوق کی تعظیم و تکریم پر مغرور نہ ہوں وہ یا تو مخلوق کو دھوکا دے رہے ہیں اور اگر کسی کا قصد دھوکا دینے کا نہ بھی ہو تو خدا کی ستاری ہے کہ اس نے ہمارے عیوب مخلوق سے چھپا دیئے اور محاسن ظاہر کر دیئے ہمارے اندر کبر ہو رہا ہے

حسد ہے حب جاہ ہے لیکن مخلوق کو خبر نہیں وہ ہمکو ان عیبوں سے پاک سمجھتے ہیں اس لئے تعظیم وتکریم سے پیش آتے ہیں اگر لوگوں کو ہمارے عیوب باطنیہ کی خبر ہو جائے تو سب سے پہلے وہ ہماری گت بنائیں پس اگر خدا کی ستاری سے ہمارے عیوب ظاہر نہ ہوں تو ہمکو تو اپنا معتقد نہ ہونا چاہیئے۔ غضب تو یہ ہے کہ لوگوں کی تعظیم وتکریم عقیدت سے ہم خود بھی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم واقع میں کچھ ضرور ہیں جب ہی تو اتنے آدمی بڑا سمجھتے ہیں سو خوب سمجھ لو بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ کا۔ ہر شخص اپنی حالت کو دوسرے سے زیادہ جانتا ہے۔ اور دوسرے اسکی اندرونی حالت سے محض بیخبر ہوتے ہیں پس تعجب ہے کہ چند ناواقفوں کی تعظیم وتکریم سے تم واقف ہو کر اپنے معتقد بن گئے آجکل بکثرت یہی حالت ہے کہ باوجودیکہ باطن سراپا گندہ ہے لیکن ظاہری تقویٰ کو کافی سمجھا جاتا ہے اسکی طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے باطن میں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے اس پر میں نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل | واندروں قہر خدائے عز وجل

حاصل یہ کہ بعضے منکر رذائل[۱] کے ازالہ کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا منجملہ اُن ہی رذائل کے اشتغال بمالایعنی[۲] بھی ہے جسکے نسبت

[۱] بُرے اخلاق ۱۲ [۲] لایعنی میں مشغول ہونا ۱۲

یہ ارشاد ہے یعنی من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ۔ کہ غیر ضروری اور لایعنی امور کو ترک کر دیں۔ اس پر نہ مشائخ کو التفات ہے نہ غیر مشائخ کو سب غور کر کے دیکھ لیں کہ دن بھر میں کتنی باتیں فضول کرتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی امور کو ترک کر دے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا حسن اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو کیا اسلام کے حسن کی آپ کو ضرورت نہیں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے والد ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے اگر کوئی ان سے بات بھی کرتا تو نظر اٹھا کر اس کو نہ دیکھتے تھے سر نیچا کئے بات کا جواب دیدیتے لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بات کا سننا کان کے متعلق ہے اور جواب دینا زبان کے متعلق ہے نگاہ کا اسمیں کچھ کام نہیں تو میں نے بیفائدہ اپنی نظر کو کیوں صرف کیا۔ صاحبو جن لوگوں کو اپنے اسلام کے کامل کرنے کا خیال ہوتا ہے وہ تو لایعنی امور سے اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ نظر کو بھی بے فائدہ نہیں صرف کرتے اور اسمیں جو نفع ہے اسکو ابھی آپ نہیں سمجھ سکتے اس پر عمل کر کے دیکھئے کسقدر دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر آپکو محسوس ہوگا کہ بے فائدہ نظر کرنیسے کتنا ضرر ہوتا ہے غرض یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس سے غفلت سب کو ہے اور ایسی غفلت ہے کہ لایعنی امور کا ارتکاب کر کے ندامت بھی کسی کو نہیں ہوتی۔ گناہ بھی لوگ کرتے ہیں مگر اس سے ندامت تو ہوتی ہے چنانچہ غیبت کر کے سب پچھتاتے ہیں۔

جگہ بیٹھی وہاں گپ کرنے کو کوئی نہیں چھینتا تاکہ اسے اللہ بیں نے فضول وقت ضائع کیا میری توبہ ہے۔ اگر لایعنی امور سے ایسی احتیاط نہ ہو سکے جیسی مولانا رفیع الدین صاحب کے والد کرتے تھے کہ وہ نظر کو بھی بیفائدہ صرف نہ کرتے تھے تو ایسا بھی تو نہ ہونا چاہیئے کہ بالکل ہی دردہ ہی ہوجاؤ کہ کسی وقت اس سے بچنے کا خیال ہی نہ ہو۔

لایعنی کی تعریف

اب سمجھو کہ لایعنی کسے کہتے ہیں۔ افعال کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو نافع ہیں خواہ دنیا میں یا دین میں دوسرے وہ جو مضر ہیں دنیا میں یا آخرت میں تو جو امور نافع ہیں خواہ دنیا میں یا دین میں وہ تو ضروری ہیں انکے چھوڑنے کو میں نہیں کہتا۔ البتہ اتنی قید ضروری ہے کہ جو امور دنیا میں نافع ہوں شریعت سے ان کی اجازت ہونی چاہیے اگر اجازت نہ ہوگی تو وہ دوسری قسم میں داخل ہو جائیں گے جو کہ آخرت میں مضر ہیں کیونکہ ناجائز میں یہ ممکن ہے کہ دنیا کا نفع بظاہر معلوم ہوتا ہو مگر آخرت میں اس سے ضرر ہوگا عتاب وعذاب ہوگا۔ لیکن جب ایک کام دنیا میں بھی نافع ہے اور شریعت سے بھی اسکی اجازت ہے تو اسکو ضرور کرنا چاہیے۔

تجارت بھی عبادت ہے

مثلاً ہم ایک شخص سے سودا کر رہے ہیں اور اسکو مال دکھلا رہے ہیں اور وہ ہم سے جھک جھک کرتا ہے اسمیں اگر ایک گھنٹہ بھی لگ جائے تو کچھ

خرچ نہیں یہ سب گفتگو ثواب میں داخل ہے بشرطیکہ جھوٹ اور فریب سے احتراز کیا جائے کیونکہ اگر ہم خریدار سے بات چیت نہ کریں اور اسکو بار بار قسم قسم کا مال نہ دکھلائیں اور ایک چیز دکھلا کر ایک دفعہ قیمت بتلا کر خاموش ہو جائیں تو اس طرح تجارت نہیں چل سکتی اس لئے خریدار سے بات چیت کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیا کے لئے نافع ہے اور اگر تجارت کے سوا ہماری اور کوئی آمدنی نہ ہو تو دین کے واسطے نافع بھی ہو گی کسب حلال کیلئے سعی ہے۔ ضروری کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بس نماز روزہ ہی ضروری ہے اور کوئی چیز ضروری نہیں یہ خیال غلط ہے ضروری وہ ہے جسکے ترک میں ضرر ہو دنیا کا یا آخرت کا اس تفسیر کے مطابق خریدار سے بات چیت کرنا بھی ضروری ہے اگر تم اس سے نہ بولو گے تو تجارت کو ضرر ہو گا اسوقت شریعت مقدسہ سکوت کی اجازت نہیں دیتی اگر اس مکالمت میں گھنٹہ دو گھنٹے بھی لگ جائے تو یہ مت سمجھنا کہ وقت ضائع ہوا اور دین کا نقصان ہوا ہرگز نہیں یہ سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا ہے اور اگر نیت اچھی ہے مثلاً یہ نیت ہے کہ ہم اس خریدار سے اس لئے گفتگو کرتے ہیں تاکہ یہ کوئی چیز خریدے تو ہمکو مال حاصل ہو گا جس سے اپنے اہل وعیال کا نفقہ ملے گا یا صدقہ خیرات کرینگے تو اس تمام وقت میں ثواب بھی ملا۔ یہ کتنی بڑی رحمت ہے یہاں سے معلوم ہوا ہوگا کہ شریعت کو ہماری دنیا کی بھی کسقدر رعایت ہے

پھر بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے پس اگر تمکو تجارت کی ضرورت وحاجت ہو تو جب تک یہ امید رہے کہ خریدار کچھ نہ کچھ خریدیگا اسوقت تک سودا کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں چاہے کتنا ہی وقت صرف ہو جائے یہ سب ضرورت میں داخل ہے لایعنی نہیں ہے اسی طرح ایک شخص غریب ہے سر پر امرودوں کا ٹوکرا رکھے ہوئے بیچتا پھرتا ہے وہ اگر تمام دن لیلو امرود کی صدا لگاتا پھرے تو اسمیں بھی کچھ حرج نہیں۔ اسکا سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا اور اس کے دن بھر لیلو امرود کہنے میں وہی ثواب ہے جو دن بھر اللہ اللہ کرنے میں ثواب ہے۔

محققانہ مسائل

بلکہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ لیلو امرود کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ اس کے بجائے سُبحان خالق الکمثری کہا کروں تو فقہاء نے اسکو ناجائز لکھا ہے کیونکہ اسمیں خدا کے نام کو دنیا کے واسطے استعمال کرنا ہے جس سے خدا کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے اس شخص کو لیلو امرود کہنے ہی میں ثواب ہے۔ اور سُبحانَ خالقِ الکمثری کہنے میں کراہت ہے اسی طرح اگر کوئی شخص پہرہ دینے کا ملازم ہے وہ رات بھر جاگو جاگو کہتا رہے تو اس کے جاگو جاگو کہنے میں کوئی ضرر نہیں یہ بھی ضروری کام میں داخل ہے اس سے دل کا نور کچھ بھی کم نہ ہوگا اور اگر وہ بجائے

لہ امرود پیدا کرنے والا پاک ہے ۱۲

جاگو کے لاالٰہ الا اللہ زور سے کہتا پھرے اور یہ سمجھے کر جاگو کہنے میں
خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ ایسا لفظ پکاریں جسمیں خدا کا ذکر بھی
ہو جائے اور پہرہ بھی ہو جائے تو فقہاء نے اسکو مکروہ لکھا ہے اور
وجہ وہی ہے کہ اس نے خدا کے نام کو دنیا کے واسطے استعمال کیا۔ واقعی
فقہاء دین کو خوب سمجھتے ہیں بظاہر تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لا الٰہ
الا اللہ پکارکر پہرہ دیا جائے۔ مگر فقہاء نے اسکی علت کو سمجھا ہے وہ فرماتے
ہیں کہ جاگو جاگو کہنے میں اسکو ثواب ملے گا اور ذکر کے ساتھ پہرہ دینے
میں گناہ ہوگا۔ اسی طرح راستوں پر بیٹھکر قرآن پڑھنا اس نیت سے کہ
کوئی ہمکو حاجتمند سمجھکر کچھ دیدیگا بالکل حرام ہے اگر کوئی حاجتمند زیادہ
ہو اور اسکو مانگنا جائز ہو تو اسکو صاف صاف سوال کرنا چاہیے
قرآن کو صورت سوال بنانا حرام ہے۔ فقہاء نے ضرورت کیوجہ سے
تعلیم پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے لیکن ذکر خالص کو دنیا کا ذریعہ بنانا
جس سے تعلیم مقصود نہ ہو حرام ہے غرض پہرہ والے کا جاگو پکارنا
فضول نہیں ہے بلکہ اگر وہ پہرہ چھوڑ کر چپکے چپکے نفلیں پڑھنے لگے
تو وہ خائن ہے اس نے اپنی ملازمت میں خیانت کی اس حالت میں تنخواہ
لینا اسے بالکل حرام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر و شغل میں مشغول
ہو اور اسی وقت کوئی اس کے پاس نماز سیکھنے آئے تو اس وقت
ذکر و شغل ترک کر دینا اور اس شخص سے بات چیت کرنا واجب ہے
یہ بات چیت بھی ضرورت میں داخل ہے یا ہم تسبیح وغیرہ میں مشغول

ہوں اور ایک آدمی نماز خراب پڑھ رہا ہو اس وقت واجب ہے کہ اپنا ذکر چھوڑ کر اسے ٹوک دیں کہ نماز اطمینان سے پڑھو بشرطیکہ فتنہ اور لڑائی کا خوف نہ ہو اگر ایسا خوف ہو اور نہ ٹوکا تو کچھ گناہ نہیں لیکن اگر محض اپنے ذکر اور تسبیحوں کا خیال ہو کہ کون اسکو بتلاوے کیوں اپنا کام چھوڑیں یہ نماز خراب پڑھیگا تو خود ہی جہنم میں جاویگا تو اس صورت میں ان تسبیح پڑھنے والے صاحب کو بھی گناہ ہوگا کہ باوجود قدرت کے اس سے نہی عن المنکر میں کوتاہی کی۔ مگر آجکل لوگوں کو اپنے وظائف کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ ان میں بولنا گناہ سمجھتے ہیں بس ایسی چپ سادہ کر دہ بیٹھتے ہیں کہ چاہے کچھ ہی ہو جائے بولنا جانتے ہی نہیں یاد رکھو یہ سخت غلطی ہے ضرورت کے وقت بات چیت کرنا ذکر وغیرہ سے افضل ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے بولنے بات کرنے کو برا نہیں سمجھتے اور وظیفہ میں بولنے کو گناہ سمجھتے ہیں چاہے ان کے نہ بولنے سے کسی کی جان ہی جاتی رہے۔

ایک جاہل عابد کی حکایت جیسے ایک دیہاتی زاہد رات کو مسجد میں بیٹھا ہوا مراقبہ کر رہا تھا وہاں ایک غریب مسافر بھی پڑا سو رہا تھا جو سوتے ہوئے خراٹے لیا کرتا تھا اس کے خراٹوں سے دیہاتی کے مراقبہ میں خلل پڑنے لگا تو آپ نے اسکو جگا کر بٹھا دیا کہ اٹھکر بیٹھو یہ

تم کیا کر رہے ہو۔ وہ غریب اٹھ بیٹھا مگر نیند کہاں جاتی ہے بیچارہ تھکا ماندہ تھا۔ تھوڑی دیر میں پھر سو رہا اور خراٹے لینے لگا دیہاتی نے پھر اُسے اٹھا دیا وہ پھر کچھ دیر میں سو رہا اور ویسے ہی خراٹے لینے لگا اب تو دیہاتی سے نہ رہا گیا اس نے نکال خنجر اس غریب کا کام تمام کردیا کہ اب تو خراٹے نہ لیگا۔ صبح ہوئی لوگ نماز کو آئے تو مسجد میں خون ہی خون دیکھا پوچھا خاں اس مسافر کو کس نے مارا تو آپ بے تکلف فرماتے ہیں کہ ہم نے مارا یہ ہمارے مراقبہ میں خلل ڈالتا تھا سبحان اللہ! آپ کا مراقبہ نہ جائے چاہے کسی کی جان جاتی رہے۔

ع کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھاویں اور گلگلوں سے پرہیز۔ قتل تو کردیں مگر مراقبہ نہ چھوٹنے پائے۔ استغفر اللہ العظیم۔

یہ سب باتیں جہالت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ بوجہ جہالت کے یہ بھی نہیں سمجھتے کہ شرعاً کون سا کام ضروری ہے اور کون سا غیر ضروری ہے۔ اسی لئے علم کی ضرورت ہے یا کم از کم علماء کی صحبت ہی ہو تو ایسی غلطیاں پھر نہیں پیش آئیں۔ الغرض تین قسم کے افعال ہیں ایک وہ جنمیں دنیا کا یا دین کا نفع ہو یہ تو ضروری ہیں دوسرے وہ جنمیں دنیا کا یا دین کا ضرر ہو اُن کا ترک ضروری ہے۔ تیسرے وہ جنمیں نہ دنیا و دین کا نفع ہے نہ ترک میں ان دونوں کا ضرر ہے یہ قسم لایعنی ہے حدیث میں حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ میں اسی قسم کے افعال

کو چھوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایسے افعال سے بھی منع فرماتے ہیں۔ مگر اسکی طرف کسی کو بھی التفات نہیں
میں خصوصیت کے ساتھ اتقیاء کی شکایت کرتا ہوں کیونکہ ہم جیسوں
کے تو بہت سے گناہ ہیں ہم لوگ جب گناہوں میں مبتلا ہیں تو لایعنی
امور میں ہمارا ابتلا چنداں عجیب نہیں ہم تو کہیں غیبت کرتے رہتے
ہیں کہیں بدنگاہی میں مبتلا ہیں غرض سر سے پیر تک گناہوں میں غرق ہیں
پھر ہم لایعنی امور میں بھی اگر مبتلا ہوں تو کچھ تعجب نہیں مگر افسوس
اتقیاء پر ہے جو تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں مگر لایعنی
امور سے بچنے کا ذرا فکر نہیں کرتے۔ بعض حضرات شیخ ہاتھ میں تسبیح لئے
بیٹھے ہیں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھتے رہیں کہ ان کا دل مشغول بحق ہے
مگر ساتھ ہی ہنسی دل لگی بھی ہو رہی ہے۔

لایعنی کا اثر بد

صاحبو! فضول باتوں سے قلب میں وہ ظلمت
پیدا ہوتی ہے جس سے ذکر و اذکار کا سارا
اثر دھل جاتا ہے مگر اسکا ادراک ہر شخص کو نہیں ہو سکتا جس کا
دل نورانی ہو اسے اس ضرر کا ادراک ہوتا ہے کالے توے پر اگر
تھوڑی سی سیاہی اور لگ جائے تو اس پر کیا اثر محسوس ہو سکتا ہے
ہاں شفاف آئینہ کو دیکھو کہ اس پر ذرا سی بھاپ سے بھی میلا پن
آجاتا ہے اور فوراً فرق محسوس ہوتا ہے چنانچہ جن لوگوں کے قلوب
شفاف ہیں اُن کے ایسے واقعات منقول ہیں کہ وہ ایک ذرا سی

فضول بات سے کس قدر متاثر ہوئے ہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کے مکان پر گئے جا کر آواز دی اندر سے جواب ملا کہ گھر میں نہیں ہیں آپ نے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں جواب ملا کہ معلوم نہیں کہاں گئے ہیں بس اسکے بعد ان کو فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے یہ سوال فضول کیا کہ کہاں گئے ہیں ممکن ہے کہ وہ کسی مخفی کام کیلئے گئے ہوں جسکا بتلانا مصلحت کے خلاف ہو تو میں نے خواہ مخواہ اپنے ایک مسلمان بھائی کا راز دریافت کیا بس اتنی بات پر وہ تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضول بات کا اہل قلوب پر کتنا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہ کر ہندوستان واپس آئے تھے حاجی صاحب کی خدمت میں رہنے سے ایک نور ان کے دل میں پیدا ہو گیا تھا وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک رئیس کی فٹن گاڑی میرے بلانے کیلئے آئی میں نے سوار ہونے سے عذر کیا کہ قریب جگہ ہے ویسے ہی چلا جاؤنگا انھوں نے اصرار کر کے بٹھلایا بس گاڑی میں پیر رکھنا تھا کہ وہ نور معاً سلب ہو گیا۔ تو یہ امور جن کو ہم ہلکا سمجھتے ہیں صاف و شفاف قلوب سے پوچھو کہ ان سے کس قدر ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ صاحبو! میں حرمت کا فتویٰ نہیں دیتا ہوں یہ نہیں کہتا کہ ایسے امور کے ارتکاب سے

گناہ ہوتا ہے نہیں فتویٰ تو یہی ہے کہ گناہوں سے بچنا واجب ہے اور اتنی کاوش کی ضرورت نہیں مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں ہو سکتا کہ یہ حدیث ہی پڑھنا فضول ہے آخر یہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے کہ لایعنی امور کا ترک کر دینا اسلام کی خوبی ہے۔ اگر ہم سے بالکل ترک لایعنی نہ ہو سکے تو اسکی کثرت تو ترک کرنی چاہیئے رہا یہ کہ اس کا ضرر کیا ہے تو جسطرح ترک لایعنی کے فائدہ کا احساس نور قلب پر موقوف ہے۔ اسی طرح ارتکاب لایعنی کے ضرر کا احساس بھی نور قلب پر موقوف ہے اور اگر کسی کے دل میں نور نہ ہو تو اسکو کسی محقق کا قول مان لینا چاہیئے یا محقق کے مقلد کی تقلید کر لینی چاہیئے۔ قاعدہ ہے کہ یا تو آدمی خود بینا ہو جب راستہ دیکھ سکتا ہے اور اگر خود اندھا ہے تو اسکو کسی سوانکھے کی تقلید کرنی ضروری ہے اگر اندھے آدمی سے ایک سوانکھا یہ کہے کہ اس راستہ میں گڑھا ہے اس سے بچ کر چلو عقلا یہی کہیں گے کہ اندھے پر اس کی تقلید واجب ہے پھر حیرت ہے کہ دین کے باب میں محققین کا قول نہ مانا جائے رئیس المحققین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں كَثْرَةُ الْكَلَامِ تُقْسِي الْقَلْبَ زیادہ باتیں بنانا دل کو سخت کر دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے كَثْرَةُ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہے کہ فضول اور لایعنی باتوں سے

دل کی صفائی اور نور زائل ہوجاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو رات دن ہنستے رہتے ہیں ہمارا دل تو مردہ نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے تجکو حیاتِ قلب نصیب ہی نہیں ہوئی جس سے کہ موتِ قلب کا احساس ہو۔ اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا۔ اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ غضب یہ ہے کہ جسطرح دنیا والے شطرنج و گنجفہ سے دل بہلاتے ہیں اسی طرح آجکل اتقیاء کے یہاں لغو اور فضول باتیں دل بہلانے کا مشغلہ ہوگئی ہیں بس تسبیح ہاتھ میں لے لی اور دنیا بھر کی باتیں بنا رہے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذکر سے جو نور حاصل ہوا تھا وہ زائل ہوجاتا ہے اور نورِ قلب کے زائل ہونے سے طاعت کا شوق کم اور ہمت میں پستی آجاتی ہے اور جہاں شوق و ہمت میں کمی آئی پھر گناہوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کیونکہ گناہوں سے بچنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک شوق محبت دوسرے ہمت اور یہ دونوں باتیں نورِ ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جب ان لغویات سے وہ نور ہی زائل ہوگیا تو شوق و ہمت میں کمی آنا لازمی ہے پھر اس شخص کا گناہوں میں مبتلا ہوجانا کچھ بھی عیب نہیں کیونکہ اب وہ روک ہی نہیں رہی جس کے ذریعہ سے گناہوں کی نفرت دل میں جم جاتی ہے۔ بس لایعنی امور کا ارتکاب گو خود معصیت نہ ہو مگر معصیت کا ذریعہ ضرور ہے اب تو آپ کو اس کے ترک کا ضروری ہونا معلوم ہوگیا ہوگا۔ شیخ فرید عطار رح پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود درِّ عدن

دل زیادہ بولنے سے بدن کے اندر مردہ ہوجاتا ہے۔ اگرچہ اس کا کلام حقیقتہ عدن کے موتیوں کیطرح بھڑکدار ہے۔

پند نامہ عجیب کتاب ہے اسکو دستور العمل بنانا چاہیئے اس سے اصلاح کا زیادہ حصہ طے ہوجاتا ہے۔ بس دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے شیخ عطار نے یہ کتاب تالیف کر کے مولانا رومی کے والد صاحب کو دیدی تھی کہ اپنے صاحبزادے کو یہ کتاب پڑھائیے گا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کیسی کتاب ہے۔ مولانا رومی رحنے بھی شیخ عطار کی بہت مدح فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

یعنی بہت ہی بڑے عارف ہیں جنہوں نے عشق کے تمام طبقے طے کر لئے ہیں سو اتنا بڑا محقق کہتا ہے ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود درِّ عدن

پر گفتن کے معنی بہت بک بک کرنا اور درِّ عدن سے مراد بھڑکدار کلام ہے۔ یعنی چاہے ظاہر میں کلام کیسا ہی خوشنما بھڑکدار ہو مگر زیادہ کلام سے دل ضرور مر جاتا ہے۔ صاحبو! آخر اسکی کچھ تو وجہ ہے کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں وضو بھی کرتے ہیں مگر پھر دل میں ہمارے نور نہیں پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ نماز کے انوار اس قدر ہیں کہ شاید ہی کسی عبادت کے انوار اسقدر ہوں۔ اسی طرح وضو کے بارہ میں حدیث

میں آیا ہے کہ وضو کے ہر قطرہ پانی کے ساتھ گناہ جھڑ جاتے ہیں نیز آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے پاس نہر جاری ہو جسمیں وہ پانچوں وقت غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائیگا۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسی طرح مسلمان جب پانچوں وقت وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جاتا ہے پھر حیرت ہے کہ ہمارے دل میں نہ نماز سے نور پیدا ہوتا ہے نہ وضو سے آخر اس کی وجہ کیا ہے تو خوب سمجھ لو کہ نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ نور ذرا سا ہوتا ہے کیونکہ ہمارے قلوب پہلے ہی سے شفاف نہیں پھر نماز اور وضو بھی ہم ایسے ہی معمولی طور پر ادا کرتے ہیں لیکن پھر بھی جس قدر نور پیدا ہوتا ہے وہ ہماری ان فضول اور لغو باتوں سے زائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ دوسری نماز کے وقت کچھ بھی نور باقی نہیں رہتا پھر دوسری نماز سے کچھ نور پیدا ہوا وہ اس کے بعد لغویات کا شکار ہو گیا یہی قصہ روزانہ چلتا رہتا ہے۔

زوال نورِ صلوٰۃ کی ایک نظیر

جیسا کہ مولانا نے مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک چور چوری کرنے گیا تھا جب کچھ آہٹ ہوئی تو مالک کی آنکھ کھل گئی پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو تھی نہیں جس سے فوراً چراغ ہو جائے چقماق سے کام لیا کرتے تھے اس نے ایک سوکھی لکڑی پر چقماق

سے چنگاری جھاڑی وہ چور کبھی قریب آبیٹھا جب وہ چنگاری ستارے کی طرح چمکی اور لکڑی پر پڑی اس نے فوراً...... اپنا انگوٹھا اس جگہ رکھدیا وہ گل ہوگئی غرض جب وہ ستارہ چھڑتا چور اس جگہ انگوٹھا رکھدیتا جس سے آگ بڑھنے نہ پاتی مولانا فرماتے ہیں۔ سہ

بس ستارہ آتش از آہن جہید (اس جگہ کے شعر یاد نہیں آئے)

مولانا فرماتے ہیں کہ نماز و وضو وغیرہ سے نور تو ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ خدا و رسول کا فرمان سچا ہے مگر ہماری بغل میں چور بیٹھا ہوا ہے جہاں ذرا نور پیدا ہوا وہ فوراً اپنا انگوٹھا رکھدیتا ہے جس سے نور بڑھنے نہیں پاتا بلکہ جسقدر پیدا ہوتا ہے ساتھ کے ساتھ گل ہو جاتا ہے۔

صاحبو! وہ چور کا انگوٹھا یہی ہماری فضول اور لغو باتیں ہیں جن سے طاعات کا نور سلب ہو جاتا ہے۔ اول تو ہماری طاعات میں نور ہی کہاں اسکی مثال تو پہلے ہی سے ایسی ہو رہی ہے جیسے کوئی منہیار چوڑیاں لئے جا رہا تھا ایک گاؤدی نے اسمیں لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کہ میاں ہیں منہیار نے کہا کہ ایک کھودا اور ماردو تو کچھ بھی نہیں یعنی اسمیں ایسی نازک چیز ہے کہ دوسری مار میں ختم ہو جائیگی یہی حال ہمارے نور کا ہے کہ بس شیطان کی ایک ضرب لگ جائے تو کچھ بھی نہیں نہ کہ اس پر اتنی ضربیں پڑتی ہوں کہ ہم رات دن فضول باتیں کر کے پھونکیں مار مار کر خود ہی اسکو گل کرتے ہوں صاحبو! نور بڑھتا ہے دھونکنے سے شیطان

ئہ دیہاتی ۱۲

ہماری دھونکنی چورا کر لے گیا ہے اس لئے وہ بڑھنے نہیں پاتا پھر جس قدر پیدا ہوتا ہے وہ ساتھ کے ساتھ بجھتا جاتا ہے جمع ہونے نہیں پاتا اس لئے کورے کے کورے ہم رہ جاتے ہیں۔ بعض ذاکرین شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے نفع نہیں ہوتا دل میں نور نہیں آتا اس کا جواب یہی ہے کہ نور کہاں سے پیدا ہو جب تم ایک گھنٹہ ذکر کر کے چار گھنٹے فضول بک بک لگاتے ہو وہ جس قدر پیدا بھی ہوتا ہے تم اس سے زیادہ ظلمت پیدا کر دیتے ہو دیکھو حوض میں پانی اسی وقت جمع ہو سکتا ہے جبکہ نیچے کی ڈاٹ بند ہو اور اگر ڈاٹ کھلی ہوئی ہوگی تو تم اوپر سے بھرو گے اور نیچے سے وہ نکلتا رہے گا حوض خالی کا خالی رہے گا۔ اور اگر اوپر سے پانی کے ساتھ خس و خاشاک بھی بھرتے رہو گے تو وہ اٹ جاوے گا اور کیچڑ جمع ہو کر سڑاہند پیدا کر دیگا پھر چند دنوں میں پانی خشک ہو جائے گا اور کوڑا ہی کوڑا رہ جاوے گا۔ بعض ذاکرین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ زیادہ بک بک نہیں کرتے مگر انکو ذکر سے اس لئے نفع نہیں ہوتا کہ ان میں کبر حب جاہ بھری ہوئی ہوتی ہے۔

کبر کا برا اثر

حضرت شبلی رح کے ایک مرید نے ان سے شکایت کی کہ ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے اسکو کچھ اور بتلا دیا اس نے پھر شکایت کی آپ نے کچھ اور بتلا دیا جب بار بار شکایت کی تو شیخ نے توجہ سے مرض دریافت کیا معلوم ہوا کہ

اسمیں کبر ہے آپنے اس کے علاج کی تدبیر کی فرمایا کہ یہ اخروٹوں کا ٹوکرا فلاں محلہ میں اپنے سر پر رکھکر لے جاؤ (اس محلہ میں اس کے معتقدین زیادہ تھے) اور لوگوں سے کہو کہ تمہارے سر پر دھولیں ماریں اور فی دھول ایک اخروٹ لے لیں اس نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں شیخ فرمایا اے شخص یہ وہ کلمہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ اسے کہتا تو مؤمن ہو جاتا مگر اسوقت تو اسکے کہنے سے کافر ہو گیا کیونکہ اُس نے اللہ اکبر اس لئے نہ کہا تھا کہ خدا کی بڑائی بیان کرے بلکہ اس نے اپنی بڑائی بیان کرنے کے لئے اللہ اکبر کہا تھا۔ عارفین نے لکھا ہے کہ سالک کے سر میں سے تکبر تمام امراض کے بعد نکلتا ہے اور جہاں یہ خبیث مادہ نکلا پھر وہ بہت جلد واصل ہو جاتا ہے تو گویا خدا اور بندے کے درمیان صرف خودی حائل ہے یہ خودی جاتی رہے تو پھر کوئی حجاب نہیں عارف شیرازی فرماتے ہیں سے

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

حضرت بایزید رح نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا موقع اچھا تھا انھوں نے موقع کا سوال بھی کیا عرض کیا یَا رَبِّ دُلَّنِیْ عَلٰی اَقْرَبِ الطُّرُقِ اِلَیْکَ یعنی مجھکو ایسا راستہ بتلا دیجئے جو آپکی طرف پہونچنے کیلئے سب سے زیادہ نزدیک ہو وہاں سے ارشاد ہوا یَا بَایَزِیْدُ دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَالَ۔ اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو

اور پہلے آو' مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل کردو پھر کوئی حجاب نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا۔ اور حق تعالیٰ سے زیادہ اس بات کو کون بتلا سکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جسکی وجہ سے سارا ذکر و شغل بیکار ہو جاتا ہے۔

حب جاہ کا اثر بد

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر و شغل سے نفع نہ ہوتا تھا شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں آخر ایک دن انھوں نے اُسکو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر و شغل کرتے ہو اسمیں تمہاری نیت کیا ہے کہنے لگا کہ میری نیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ میری اصلاح کر دیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں مخلوق کو نفع پہونچاؤں۔ فرمایا کہ اب چور معلوم ہوا۔ تم پہلے ہی سے بڑے بننے کی فکر میں ہو اسی لئے نفع نہیں ہوتا اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو۔ محض رضاء حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات کو دل سے دور کردو چنانچہ وہ شخص طالب تھا نیت درست کر لی اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا۔ خوب سمجھ لو یہ حب ریاست بھی بڑا سد راہ ہے لوگ ذکر شروع کر کے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہے تو بجز اسکے کہ اپنی صحت کو خراب کرے گا اور کچھ نفع نہ ہوگا۔

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بیں نباشی کے راہبر شوی

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

اے بے خبر کوشش کرتا کہ باخبر ہو جائے۔ جب تک تو راستہ سے واقف نہ ہوگا راہبر کس طرح ہو جائے گا مکتب حقائق میں ادیب عشق (شیخ کامل) کے روبرو (اطلاع واتباع شیخ کے ساتھ) کوشش کرتا کہ تو بھی ایک دن باپ (شیخ محقق) ہو جائے۔

اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ کبر کیسی مضر چیز ہے سالکین اپنے اس مرض کی اطلاع تو شیخ کو کرتے نہیں ان کو تو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتے ہیں کیونکہ ڈرتے ہیں کہ ان کا علاج کیا جائے گا اور وہ علاج ہم کو ناگوار ہوگا جیسے حضرت شبلی نے اس مرید کا علاج کیا تھا کہ فی دھول ایک اخروٹ بانٹتے جاؤ اور دھولیں کھاتے جاؤ پھر شیخ کی شکایت بیجا کرتے ہیں کہ ہم کو اتنے دن سر رگڑتے ہو گئے نفع ہی نہیں ہوتا کچھ توجہ ہی نہیں فرماتے۔ وہ توجہ کیا خاک کریں جب تک یہ متعفن مادہ تسہیل کے ذریعہ سے نہ نکالا جائے اس وقت تک توجہ بھی نفع نہیں دے سکتی۔ اطبا لکھتے ہیں کہ جب مزاج پر کسی خلط کا غلبہ ہوتا ہے تو دودھ مضر ہوتا ہے کیونکہ یہ لطیف غذا ہے جلد خلطِ غالب کیطرف مستحیل ہو جاتا ہے دودھ کا نفع جب ہی ہوتا ہے جبکہ مزاج کا تنقیہ کر کے اعتدال پیدا کر لیا جاوے اسی طرح توجہ کا نفع رذائل کے تنقیہ کے بعد ہوتا ہے اور جن بزرگوں کے واقعات آپ نے سن رکھے ہیں کہ وہ اپنے پیر کی ایک توجہ سے کامیاب

ہو گئے وہ ان رزائل سے پہلے ہی پاک ہو چکے تھے استعداد کامل موجود تھی صرف دیا سلائی لگانے کی دیر تھی توجہ دیا سلائی ہے اسکا لگنا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی کام بن گیا گیلی لکڑی میں ہزار دیا سلائیاں لگاؤ کبھی آگ جل کر نہ دیگی ہاں دھواں بہت اٹھے گا جس سے سارا گھر سیاہ اور پاس والے پریشان ہو جائیں گے دھویں سے مراد جھوٹے دعوے ہیں یعنی جسکا رزائل سے تنقیہ نہوا ہو اس کو اگر توجہ دیجائے اور اس سے کچھ کیفیات طاری ہونے لگیں تو وہ رات دن ڈینگیں ہانکتا پھرے گا کہ میں ایسا ہوں میں ویسا ہوں بس ایکے سوا اور کچھ نفع نہ ہوگا اور اگر کسی میں یہ معاصی کبر وحب جاہ وغیرہ نہ بھی ہوں تو یہ لغو اور فضول باتیں بنانے کا مرض تو بھی میں ہے اس سے وہ سارا کیا کرایا کام برباد ہو جاتا ہے تو یہ باتیں... اگرچہ معاصی میں داخل نہ ہوں مباحات ہی میں داخل ہوں مگر ان کی تاثیر یہ ہے کہ نور قلب کو بجھا دیتی ہیں گو گناہ نہ ہوتا ہو۔

کثرت مباحات اور نور قلب کی مثال

جیسے پانی اگرچہ فی نفسہ طاہر و مطہر ہے کپڑے کو صاف کر کے سفید بنا دیتا ہے لیکن آگ کو بجھا ہی دیتا ہے اسکی وجہ کیا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ آگ اور پانی کے مزاج میں اختلاف ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ مباحات گو فی نفسہ پاک ہوں ان سے گناہ نہ ہوتا ہو مگر یہ نور جو قلب میں طاعات و ذکر سے پیدا ہوتا ہے یہ طاعات سے تو

تو بڑھتا ہے لیکن فضول مباحات سے بجھ جاتا ہے اور اسکی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ نور قلب کے مزاج کے لئے مباحات موافق نہیں آتے۔ اس لئے سالک کو جس طرح معاصی سے اجتناب لازم ہے اسی طرح بعضے مباحات سے بچنا بھی ضروری ہے یعنی لایعنی امور سے باقی اسکی دلیل مشاہدہ اور تجربہ کے سوا کچھ نہیں۔ آزما کر دیکھ لیجئے کہ ایک دن آپ دس گھنٹے ذکر کریں اور دو گھنٹے فضول بک بک کریں اس روز دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور ایک دن صرف دو گھنٹے ذکر کریں اور لایعنی امور سے پرہیز کریں اس دن قلب کی کیا حالت ہوتی ہے دونوں دنوں میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا کسی نے سچ کہا ہے ؎

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند	گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

آنکھ بند کرو اور ہونٹ بند کرو اور کان بند کرو (اسکے بعد بھی) اگر نور حق نہ دیکھو تو مجھ پر ہنسنا

اور لایعنی امور صرف باتوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جسطرح بعضے اقوال لایعنی ہوتے ہیں اسی طرح بعضے افعال لایعنی ہوتے ہیں بعضے احوال لایعنی ہوتے ہیں سب کو ترک کرنا چاہیئے پس لایعنی کی تین قسمیں ہوئیں۔ اقوال۔ افعال، احوال۔

فضول باتوں کے نظائر و امثال

فضول باتیں تو یہ ہیں کہ مجلس جما کر

بیٹھ گئے اور ادھر اُدھر کے قصے کہنے سننے شروع کر دے ایک کہتا ہے کہ متھرا میں پیڑے اچھے ہوتے ہیں دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اناؤ میں اچھے پیڑے ہوتے ہیں بھلا ان باتوں میں کوئی نفع بھی ہے سوائے وقت ضائع کرنے کے۔

ایک لطیفہ یا کثیفہ

اناؤ کے پیڑوں پر مجھے ایک قصہ ہنسی کا یاد آیا کہ دو شخص لکھنؤ سے کانپور جانیکو ریل میں سوار ہوئے راستہ میں اناؤ کا اسٹیشن آیا وہ کہنے لگے کہ یہاں کے پیڑے بہت مشہور ہیں ایک تیسرا شخص بھی وہاں بیٹھا تھا وہ بولا کہ جی ہاں مشہور تو بہت ہیں مگر اب پہلے جیسے نہیں رہے میں نے پیڑے خریدے ہیں ان کو چکھ لیجئے پھر خریدنے کا قصد کیجئے گا۔ پھر وہ پیڑے جو خرید سے تھے پیش کر دئے اس پر اُن دونوں میں سے ایک صاحب نے چکھنے کیلئے سالم ایک پیڑا اٹھالیا اس شخص کو بہت ناگوار ہوا اس نے دوسرا پیڑا دوسرے رفیق کے پیش کر دیا کہ اس کو آپ چکھ لیجئے وہ کہتے تھے کہ اسکی اس بات سے مجھے ایسی ندامت ہوئی کہ سر اوپر کو نہ اٹھتا تھا۔ پھر وہ پیڑے والا کانپور میں اترا ہم نے اس شخص کو سواری کرایہ نہ کرنے دی اور اسکو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا کہ اسی طرح اس ندامت کا معاوضہ ہو جاوے مگر پھر بھی اس سے طبیعت ایسی شرماتی رہی کہ اپنی یہ ساری خاطر تواضع خاک میں ملی جاتی تھی۔ بعض دفعہ مجلسوں میں

چانوں کی قسمیں بیان ہوتی ہیں ایک کہتا ہے کہ دہرہ کے چاول اچھے ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ پیلی بھیت کے عمدہ ہوتے ہیں غرض انہی فضولیات میں مجلسیں گرم رہتی ہیں بعض لوگوں کو فضول سوالات کرنیکا مرض ہوتا ہے کہ ایسے سوالات کرتے ہیں جنکی عمر بھر بھی ضرورت پیش نہ آئے

ارض تسعین سے متعلق ایک سوال وجواب

چنانچہ ایک مولوی صاحب ریل میں سوار ہوئے تھے اسٹیشن پر وہ کسی کام کو اتر کر چلے گئے پیچھے کچھ جنٹلمین اسی گاڑی میں آگھسے یہ لوگ آزاد و بیباک ہوتے ہی ہیں انھوں نے مولوی صاحب کا اسباب تختہ پر سے پھینک کر اپنا سامان رکھدیا۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو اسباب منتشر پایا پوچھا کہ میرا اسباب کسنے پھینکا ہے کوئی بڑا ہی نالائق ہے لڑکوں نے اقرار کیا کہ حضرت یہ نالائق حرکت ہم سے ہوئی ہے انھوں نے اُن کو خوب کوری کوری سُنائی کہ تم لوگ بڑا تہذیب کا دعویٰ کرتے ہو مگر تم میں خاک تہذیب نہیں ہے تم بڑے بے تہذیب لوگ ہو لڑکے سب کچھ سنتے رہے اور بہت شرمندہ ہوئے جب گاڑی چل پڑی اور مولوی صاحب بھی اطمینان سے بیٹھ گئے تو اب اُن لڑکوں کو شرارت سوجھی انھوں نے مولوی صاحب سے بدلہ لینا چاہا کہ ان سے کوئی ایسا سوال کرنا چاہیے جسکا جواب ان سے نہ بن پڑے تاکہ

یہ شرمندہ ہوں چنانچہ ایک آگے بڑھا اور مولوی صاحب سے پوچھنے لگا کہ مولانا نماز کے وقت فرض ہے انھوں نے کہا کیا آپ کو اب تک اتنی خبر بھی نہیں کہنے لگا جی ہاں ہم تو ایسے ہی جاہل ہیں آپ تبلا دیجئے انھوں نے تبلا دیا کہ پانچ وقت فرض ہے کہنے لگا ہر زمانہ میں اور ہر شہر میں انھوں نے کہا کہ ہاں ہر حال میں دن رات میں پانچ ہی نمازیں ہیں کہنے لگا کہ پھر جن مقامات میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے کیا وہاں بھی پانچ ہی نمازیں فرض ہوں گی تو وہاں سال بھر میں پانچ نمازیں ہوئیں۔ مولوی صاحب نے اس سوال کا بہت ہی معقول جواب دیا فرمایا کیا تمکو وہاں جانا ہے کہا نہیں فرمایا کیا تم وہاں سے آئے ہو کہا نہیں فرمایا جب تم کو نہ وہاں جانا ہے نہ وہاں سے آئے ہو پھر تمکو ایسی جگہ کے بارے سوال کرنا فضول ہے کام کی باتیں پوچھو فضول وقت ضائع نہ کرو۔ جواب نہایت معقول تھا مگر ان کے مذاق کے موافق نہ تھا اس لیئے ان کو قدر نہ ہوئی اور یہ سمجھ کر سب لڑکے ہنسنے لگے کہ ہم نے مولوی صاحب کو چپ کر دیا وہ لڑکے تو ہنسے ہی تھے وہاں ایک صاحب پختہ عمر کے بھی بیٹھے تھے جو باوجود جنٹلمین ہونے کے پابند صوم و صلوٰۃ بھی تھے وہ بھی ہنسنے لگے مولانا احمد حسن صاحب امروہی رح بھی اُس گاڑی میں سوار تھے وہ فرماتے تھے کہ مجھے اس شخص کے ہنسنے پر بڑا غصہ آیا کہ اس بیوقوف کو کیا ہو گیا کہ نماز کا پابند ہو کر ایک شرعی بات پر ہنستا ہے میں نے

اپنے جی کہا کہ مجھے تو میں ٹھیک بناؤں گا میں اس کے پاس گیا اور سلام کر کے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا کہ آپ کا نام کیا ہے مکان کہاں ہے شغل معاش کیا ہے معلوم ہوا کہ سرکاری ملازم ہیں میں نے پوچھا کہ آپ کے ذمہ سرکاری کام کتنے گھنٹہ روز آتا ہے بولے چھ گھنٹے میں نے کہا کہ ہر موسم میں خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا کہنے لگے ہاں ہر موسم میں میں نے کہا بھلا اگر گورنمنٹ کی حکومت اس علاقہ میں ہو جائے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے اور گورنمنٹ آپ کو وہاں متعین کر دے کسی کام پر کیا وہاں بھی آپ دن بھر میں چھ گھنٹے ہی کام کریں گے اگر وہاں بھی یہی رہا تو یوں کہو کہ سال بھر میں صرف چھ گھنٹے ہی کام ہوگا کہنے لگے کہ وہاں گھڑی گھنٹے سے حساب لگائیں گے۔ مولانا نے کہا افسوس ہے تمہارے ایمان و اسلام پر کہ یہی سوال ایک دین کے کام کے لئے کیا گیا تو یہ جواب وہاں آپ کو نہ سوجھا اور گورنمنٹ کے کام کے لئے فوراً عقل آگئی کہ گھڑی گھنٹہ سے حساب لگائیں گے۔ صاحب تم اپنے ایمان کی خیر مناؤ کہ تم ایک عالم کے شرعی جواب پر ان بیباک لڑکوں کے ساتھ ہو کر ہنسے تم نے شریعت کی توہین کی تمہارا ایمان نہ کہیں سلب ہو گیا ہو۔ بیچارے پر نماز روزہ کا اتنا اثر تھا کہ اس کو ایمان سے محبت تھی سلب ایمان کا لفظ سنکر اس کے ہوش اُڑ گئے اور روتا

ہوا مولانا کے قدموں میں گر پڑا کہ مولانا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں واقعی مجھ سے خطا ہوئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے بھی اسکا سر قدموں سے نہ اٹھایا کہ اچھا ہے اس متکبر کا دماغ تو درست ہو دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا تو میں نے ان کو نصیحت کی کہ دین کی بات پر اسطرح نہ ہنسنا چاہیئے جس سے مسئلہ دینی کی توہین لازم آجائے۔ مولانا کا جواب تو بتقدیر تسلیم تھا کہ اگر بالفرض وہاں کوئی پہونچ جائے تو کیا کرے ظاہر ہے کہ حساب لگا کر سال بھر کی نماز پڑھی جائیں گی لیکن تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے مقامات پر سردی اس قدر ہے کہ سمندر تک برف سے جمع ہوئے ہیں وہاں انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں اس لئے یہ سوال ہی سرے سے لغو ہے۔

ایک اور لغو سوال

اسی طرح ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ میں آپ کے نزدیک کون حق پر تھا۔ فرمایا تمکو اس سوال سے کیا مطلب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قیامت میں تم سے اس کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا نہ اُن کا مقدمہ فیصلہ کیلئے تمہارے پاس آئے گا۔ اور اگر تم سے سوال ہوا تو تم اللہ میاں کے سامنے میرا نام لے دینا کہ میں نے اس سے سوال کیا تھا اس نے مجھکو جواب نہیں دیا واقعی خوب جواب دیا۔

ایک غلط عادت کی اصلاح

اسی طرح آجکل یہ عادت ہے کہ جہاں کوئی مولوی یا ہر کا کسی

شہر میں پہونچا اور لوگوں نے اس سے سوالات کرنا شروع کیئے۔ یہ بھی بہت بُرا مرض ہے کیونکہ پردیسی آدمی کو شہر کے واقعات پوری طرح معلوم نہیں ہوتے اور پوچھنے والے بوجہ جہل کے پوری بات بیان نہیں کرتے وہ جتنی بات سنتا ہے اس کے موافق جواب دیدیتا ہے اسکو یہ لوگ فتوے قرار دیکر وہاں کے علماء سے الجھتے ہیں کہ تم نے تو یہ کہا تھا اور فلاں عالم یہ فرما گئے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ وہاں کے علماء کو واقعہ کی پوری تحقیق ہو جسکی بنا پر انھوں نے دوسرا جواب دیا ہو اسی لیئے میری عادت ہے کہ سفر میں ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا کرتا کہدیتا ہوں کہ سوال کی پوری صورت لکھ کر ڈاک میں میرے پاس بھیج دینا اطمینان سے جواب دوں گا اس کے بعد اگر وہ کسی سے الجھے گا تو جواب کے ساتھ لوگ اس کے سوال کو بھی دیکھ لیں گے کہ اس نے سوال کسطرح کیا تھا۔ اور زبانی سوال کے جواب میں لوگ صرف جواب کو نقل کر دیتے ہیں اپنے سوال کو پورا نقل نہیں کرتے کہ ہم نے سوال کسطرح کیا تھا۔

صاحب وعظ کا واقعہ

ایک مرتبہ میں رامپور گیا تو وہاں ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ گیارہویں کرنا کیسا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ اسکا مقصود میرے مسلک پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ محض مجھے بدنام کرنا ہے کہ یہ وہابی ہے اس لیئے میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ تم عمل کے واسطے پوچھتے ہو یا

امتحان کے واسطے اگر عمل کیواسطے پوچھتے ہو تو تم کو شہر کے علماء سے پوچھنا چاہیئے جنکی دینداری اور تقوے کا تمکو تجربہ ہے مجھسے تم واقف نہیں ہو صرف آج ہی آپ کی مجھ سے ملاقات ہوئی ہے ایک دن میں تم کو میری دیانت اور تقوے کا تجربہ نہیں ہو سکتا میرے ساتھ کچھ دنوں رہو گے جب میری حالت سے واقف ہو گے۔ اور اگر امتحان کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو میرا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں ہے جن لوگوں نے مجھکو پڑھایا ہے وہ سہ ماہی اور ششماہی اور سالانہ امتحانات میرے لے چکے ہیں آپ سے میں نے کچھ پڑھا نہیں نہ پڑھنا چاہتا ہوں اس لئے آپ کو میرے امتحان کا کیا حق ہے بس اس جواب پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے وہ یہ چاہتے تھے کہ میں اُن کے سامنے اپنا مسلک بیان کردوں پھر مجھ میں اور وہاں کے علماء میں مناظرہ ہو۔ سو میں ایسا روگ ہی نہیں پالتا۔ بعض علماء کو مناظرہ کا شوق ہوتا ہے وہ جہاں جاتے ہیں مناظرہ کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ کے بعد بھی لوگ تو اسی حال پر رہتے ہیں جس پر پہلے سے تھے ہاں انکا وقت اچھی طرح برباد ہوتا ہے۔

موجودہ مناظروں کا حال آجکل مناظروں میں اظہار حق تو مطلوب ہوتا نہیں محض ہار وجیت مدنظر ہوتی ہے چنانچہ ہر فریق اسکی کوشش کرتا ہے کہ جسطرح ہو سکے دوسرے کی ہر بات کو توڑا جائے چاہے اس کے منہ سے ایک دو بات سچی بھی نکل

جائے مگر یہ اسکو بھی رد کرنا چاہتے ہیں ایک مرتبہ رامپور میں نواب صاحب نے قادیانیوں سے اہل حق کا مناظرہ کرایا تھا جب میں وہاں سے لوٹا تو لوگوں نے مجھ سے مناظرہ کا حال پوچھا میں نے کہا امیروں کو بازیوں کا شوق ہوتا ہے آج مرغ بازی ہو رہی ہے کل کو تیتر بازی پرسوں کو بٹیر بازی نواب صاحب کو مولوی بازی کا شوق ہوا تھا انہوں نے مناظرہ کرادیا کہ دو مولوی آپس میں کھڑے لڑ رہے تھے نواب صاحب کو لطف آرہا تھا بس یہ حاصل تھا مناظرہ کا سو واقعی آجکل کے مناظرہ کا تو یہی حاصل ہے بچپن میں مجھے بھی اسکا شوق تھا مگر جتنا پہلے شوق تھا اب اتنی ہی نفرت ہے آجکل مناظرہ میں تو تو میں میں اور پھبتیاں بہت ہوتی ہیں جس سے سوائے اپنے مقابل کو رنج دینے کے کچھ مقصود نہیں ہوتا بات بات میں رسالے بازی ہوتی ہے جسمیں طرز تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے مد مقابل کی خوب تحقیر و توہین ہو اسی لئے آجکل مناظرہ سے ضد و عداوت بہت بڑھ جاتی ہے چنانچہ ایک شخص نے ایک رسالہ کسی کے جواب میں لکھا ہے مصنف رسالہ کے پیر کا نام مسکین شاہ ہے تو مجیب نے اس کے پیر کے اوپر پھبتی کے طور پر یہ شعر لکھا ہے ؎

گر بہ مسکین اگر پر داشتے   تخم کنجشک از جہاں بر داشتے

مسکین بلی کے اگر پر ہوتے تو چڑیا کا بیج دنیا سے اٹھ جاتا

بھلا اظہار حق میں اس پھبتی کو کیا دخل تھا کچھ نہیں محض فضول وقت ضائع کرتے ہیں جس سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے اسی لئے

آجکل کے مناظرے بھی میرے نزدیک لایعنی میں داخل ہیں (البتہ اگر کہیں مسلمانوں کا دین برباد ہونیکا اندیشہ ہو اور ان کے ایمان کی حفاظت کیلئے مناظرہ کی ضرورت ہو وہ موقع اس سے مستثنیٰ ہے مگر ایسے مناظرے سنو میں ایک دو ہوتے ہیں اکثر تو محض شوقیہ ہی ہوتے ہیں ۱۲ جامع)

امام اعظمؒ کی مناظرہ میں نیت

امام ابو حنیفہ رحؒ نے اپنے صاحب زادہ حمادؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ علم کلام (و مناظرہ) میں مشغول مت ہونا انھوں نے کہا کہ آپ مجھکو تو اس سے منع فرماتے ہیں مگر میں نے آپکو خود مناظرہ کرتے دیکھا ہے فرمایا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے جب ہم مناظرہ کرتے تھے تو ہم یہ چاہتے تھے کہ دوسرے کی زبان سے حق بات نکلے اور ہم اسکو تسلیم کرلیں تاکہ میرے بھائی کی بات اونچی رہے اور وہ حق راستہ پر چلے اور اب ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی زبان سے غلط بات ہی نکلے تاکہ میں اسکو رد کر سکوں تو اس زمانہ میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کیلئے گمراہی کی تمنا کرتا ہے اس لئے اب مناظرہ میں پڑنا مضر ہے سبحان اللہ کیسی عجیب بات فرمائی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلف صالحین کے مناظرہ میں اور آجکل کے مناظرہ میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان کو درحقیقت اظہارِ حق ہی مطلوب تھا وہ فضول وقت ضائع نہ کرتے تھے نہ ان کو اس سے عار تھی کہ کوئی ہمکو ناواقف کہدیگا۔ مولانا عبد القیوم صاحب بھوپالی رحؒ سے جب

کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ مسئلہ بتا دیتے اگر کوئی یہ پوچھتا کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے تو آپ فرما دیتے کہ بھائی میں نومسلم نہیں ہوں میرے آباؤ اجداد سب مسلمان تھے جسطرح میں نے اپنے باپ کو عمل کرتے دیکھا اسی طرح میں نے کیا ....

.... اور وہ اپنے باپ کو دیکھکر عمل کرتے تھے اور وہ اپنے باپ کو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایک دوسرے کو دیکھکر عمل کرتے آرہے ہیں اسلئے ہم کو حدیث معلوم کرنیکی ضرورت نہیں ہاں جو نومسلم ہو اسے حدیثیں معلوم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے آباؤ اجداد نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عمل کرکے نہیں دکھلایا۔ تو مولانا کے جواب کا منشا صرف یہ تھا کہ تو تو میں میں کے اندر وقت ضائع نہ ہو۔ کیونکہ جاہلوں کو اگر حدیث بتلا بھی دیجائے تو وہ یہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ کسطرح مستنبط[ل] ہوا۔ اس لئے ایک عامی شخص کا یہ سوال کرنا فضول ہے۔ اور فضول سوال کا جواب دینا بھی فضول ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جواب نہ دینے سے بعض لوگ اس کو ناواقف کہیں گے مگر سلف کو اسکی پرواہی نہ تھی کہ کوئی ہمکو کیا کہے گا وہ فضول باتوں میں پڑنے کو گوارا نہ کرتے تھے۔ مگر آجکل علماء کی عادت ہے کہ وہ سائل کے مذاق کا اتباع کرتے ہیں اور جہاں سے وہ دلیل طلب کرے اسی جگہ سے دلیل بیان کرنے کی کوشش کرتے

ل مستنبط ۱۲

ہیں مگر اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے کیونکہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے دلائل عوام کی فہم سے باہر ہوتے ہیں اب اگر اُن کو دلیل کا عادی کر دیا جائے گا تو وہ ان مسائل کو بھی بلا دلیل نہ مانیں گے۔ اور دلیل سمجھ نہ سکیں گے اسکا انجام یہ ہوگا کہ وہ عمل بھی نہ کریں گے۔ تو یہ کتنا بڑا نقصان ہے بس اسلم طریقہ یہی ہے کہ لایعنی سوالات کا جواب نہ دیا جائے ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ ایک عورت کا شوہر اور بھائی چوروں کے ہاتھ سے ...... مارے گئے وہاں سے ایک فقیر کا گذر ہوا عورت کو روتا دیکھکر رحم آیا اور عورت سے کہا کہ تم ان کے سر کو دھڑ سے جوڑ دو میں دُعا کرتا ہوں عورت نے سروں کو دھڑ سے جوڑ دیا مگر جلدی میں یہ غلطی کی شوہر کا سر بھائی کے دھڑ سے لگا دیا اور بھائی کا سر شوہر کے دھڑ سے فقیر نے دُعا کی وہ دونوں زندہ ہوگئے۔ اب وہ عورت کس کے پاس رہے۔ میں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے بھلا یہ بھی کوئی سوال ہے جس کے سر نہ پاؤں اس کا طرز بتلا رہا ہے کہ کسی نے فرصت میں بیٹھکر گھڑا ہے۔ علماء کو چاہئے کہ ایسی فرضی صورتوں کا جواب نہ دیا کریں حضرت عمر رضؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اوّل یہ سوال کرتے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے یا ویسے ہی سوال کرتے ہو۔ اگر وہ یہ کہتا کہ واقعہ پیش آیا ہے تب جواب دیتے ورنہ دھمکا دیا کرتے تھے آجکل بہت لوگوں کو یہ مرض ہے کہ فضول سوالات کرتے ہیں حتیٰ کہ خطوط میں بھی دنیوی

امور کے متعلق ایسے سوالات ہوتے ہیں۔ تھانہ بھون میں ایک شخص ہیں اُن کے ایک دوست کی عادت تھی کہ وہ ہر خط میں بہت سے بیہودہ سوالات کیا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ غلہ کا بھاؤ کیا ہے دال کا نرخ کیا ہے بارش کیسی ہوئی کھیتیاں کیسی ہیں اور اس قسم کے بہت سے سوالات ہر خط میں ہوتے تھے وہ بیچارے بعضی باتوں کا جواب نہ دیتے تھے اگلے خط میں وہ اس پر مواخذہ کرتے کہ تم نے میری بہت سی باتوں کا جواب نہیں دیا اس کی کیا وجہ ہے جب وہ بیچارہ تنگ آگیا تو اس نے بھی ایک خط میں سوا سو سوالات اسی قسم کے لکھے اس پر اُن کا خط آیا کہ تم بڑے بیہودہ آدمی ہو. فضول سوالات کرتے ہو۔ اس نے لکھا کہ حضور ایسے ہی سوالات آپ کے ہوتے ہیں جن سے میں تنگ ہوا کرتا تھا۔ میں نے آپ کو دکھلایا ہے کہ فضول باتوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے جب ان کی وہ عادت بدلی۔ سو واقعی ایسے لوگوں کا ایسا ہی علاج ہونا چاہیئے جب کوئی تم سے ایک فضول سوال کرے تم اس سے دو سوال ویسے ہی کردو مجھے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ لوگ خط میں لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں کو سلام پہونچا دیجئے۔ بھلا خواہ مخواہ اپنے ایک دو پیسہ کی کفایت کے لئے دوسرے آدمی کو سلام پہونچانے کیلئے مزدور بنانا یہ کونسی آدمیت ہے اور خیر جہاں بے تکلفی ہو وہاں تو زیادہ مضائقہ نہیں مگر جسکو اپنا مزدور بنانا ہو اس سے اپنا کام اس قسم کا

لینا نری جہالت ہے۔

ایک تصوف کا ادب

صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ شیخ کے خط میں کسی کو سلام نہ لکھنا چاہیئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ جب بخار کا زور رہا تو لوگ خطوط میں مجھ سے تھانہ بھون کی حالت دریافت کرتے تھے کہ وہاں بیماری کا کیا حال ہے میں اس کے جواب میں یہ شعر لکھ دیا کرتا تھا ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم — از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

ہم نے سکندر و دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے ہم سے محبت و عشق کی باتوں کے سوا کچھ نہ پوچھو ۱۲

اور واقعی مجھے بسا اوقات شہر کی حالت معلوم بھی نہیں ہوتی تھی نہ میں اسکی تحقیق کرتا ہوں کہ آج کتنی موتیں ہوئیں بعض لوگوں کو بیماری میں بھی مشغلہ ہوتا ہے کہ اموات کی شمار معلوم کرتے پھرتے ہیں اور مجلسوں میں بجائے خوف الٰہی کے تذکرہ کے یہی تذکرہ ہوتا ہے کہ آج اتنی موتیں ہوئیں کل اتنی ہوئیں تھیں۔ یہ بھی لایعنی مشغلہ ہے ایسے وقت میں انسان کو طاعات میں مشغول ہونا چاہیئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیئے نہ کہ دنیا بھر کے قصے لے بیٹھیں اور بیماری کے تذکرہ ہی کو مشغلہ بنالیں۔ اسی طرح بعض لوگ خطوط میں خوابیں بہت لکھا کرتے ہیں اور ان کی تعبیر دریافت کرتے ہیں میں اس کے جواب میں اکثر یہ شعر لکھ دیتا ہوں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ، چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ میں رات نہ رات کا پجاری کہ رات کے متعلق بات کہوں جب آفتاب کا غلام ہوں
تو سب کچھ آفتاب کے متعلق ہی بیان کروں گا ۱۲

اور یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ بیداری کا حال لکھو اس کا جواب دوں گا خوابوں سے کیا ہوتا ہے ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ خط میں چند احوال بیداری کے لکھے جائیں اپنے امراض کی اصلاح دریافت کی جائے اور اگر کوئی عجیب خواب ہوا تو اس کا تذکرہ بھی کر دیا۔ باقی سارے خط کا یہی حاصل ہونا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے یہ مجھکو پسند نہیں اسی لئے میں خوابوں کی تعبیر بہت کم دیا کرتا ہوں۔ یہ تو فضول باتوں کا بیان تھا۔

لایعنی افعال کے نظائر و امثال

لایعنی افعال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ بلا وجہ فضول کاموں میں مشغول ہوتے ہیں مثلاً ناول دیکھنا چھوٹے موٹے قصوں کا مطالعہ کرنا اس سے بے فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے اسمیں نہ کچھ دنیا کا نفع ہے نہ دین کا اس لئے کتابیں وہ دیکھنی چاہئیں جو دنیا یا دین کے لئے نافع ہوں اسی طرح بعض لوگوں کو اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں ہوتا دوسروں کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کسی نے جو فرمائش کردی اسکو پورا کرتے میں لگے رہتے ہیں سو یاد رکھو کہ خدمتِ خلائق اگرچہ بہت اچھی چیز ہے مگر ہر کام کا

ایک درجہ ہے سب سے مقدم انسان کیلئے اپنی اصلاح ہے اپنے کام سے جو وقت بچے اسمیں مخلوق کی خدمت کا مضائقہ نہیں مگر اپنی حالت کی خبر نہ لینا اور دوسروں ہی کے کاموں میں سارا وقت گنوا دینا یہ خدمت کا ہیضہ ہے اس لیئے الاھم فالاھم پر عمل کرنا چاہیئے بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جہاں کوئی ان سے ملنے آگیا بس اسی کو لے بیٹھتے ہیں اسکی خاطر مدارات میں اپنے ضروری کاموں کا حرج کر دیتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ بے انتظام رہتے ہیں ان کا کوئی معمول پابندی سے ادا نہیں ہوتا۔ خاطر مدارات کیلئے دس پندرہ منٹ کافی ہیں اس کے بعد اپنے ضروری کاموں میں لگ جانا چاہیئے۔ اگر انسان میں انتظام کا سلیقہ ہو تو اسکو یہ باتیں خود بخود محسوس ہونے لگتی ہیں کہ کونسا کام مقدم ہے کونسا مؤخر ہے کسکی زیادہ ضرورت ہے کسکی نہیں اس لئے اپنے افعال کی بھی نگہداشت لازم ہے اس پر عمل کرنے سے سارے معمولات بخوبی ادا ہوتے رہیں گے۔

لایعنی اموال کا بیان

لایعنی اموال کی یہ صورت ہے کہ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک ذریعہ معاش تجارت کا اسقدر موجود ہے جس سے گذر خاصی طرح ہو رہا ہے مگر زیادہ مال کی حرص ہے اسلئے بڑے پیمانہ پر کارخانہ جاری کرنا چاہتے

ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری عمر تحصیل مال ہی میں کٹ جاتی ہے
خدا کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔ پھر غضب یہ کہ
بڑا کارخانہ اگر ذاتی رقم سے کھولا جائے اسکا بھی چنداں مضائقہ
نہیں بعض لوگ بلاوجہ قرض کر کے کارخانہ کھولتے ہیں اسمیں
جسقدر دقتیں اور پریشانیاں پیش آتی ہیں اُن کا اندازہ وہ خود
کر سکتے ہیں بلاوجہ بلاضرورت قرض کرنیکی بھی شریعت نے ممانعت کی ہے
بعض لوگوں کو دوسروں کی امانتیں رکھنے کا شوق ہوا کرتا ہے کہ جس نے
جو امانت رکھوائی اٹھا کر رکھ لی بعض دفعہ اگر امانت ضائع ہوجاتی ہے
تو اس شخص کو سخت پریشانی ہوتی ہے اگر ضمان نہ دے تو طبیعت نہیں
مانتی دوسرے شخص سے ندامت ہوتی ہے اور اگر ضمان دے تو اپنے دل
پر گراں ہوتا ہے اتنی رقم میری بیفائدہ خرچ ہو رہی ہے اس لئے ہر
شخص کو دوسروں کی امانتیں نہ رکھنی چاہیں۔ ہاں اگر کوئی بڑا منتظم ہو
اور لوگوں کو اس پر ایسا اعتماد ہو کہ اگر وہ یہ کہہ دے کہ امانت ضائع
ہوگئی ہے تو کسی کو اس پر خیانت کا وسوسہ بھی نہ آئے ایسا شخص
امانت رکھے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ امانت کی وجہ سے اسکو پریشانی
لاحق نہ ہو ورنہ انسان کو ایسا کام ہرگز نہ کرنا چاہیئے جس سے جمعیت
قلب فوت ہو۔ غرض بیفائدہ باتیں فضول کام اور بے ضرورت
مال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے ہر قسم کے لایعنی امور سے احتراز کرنا چاہیئے
پھر دیکھئے دل میں کیسا نور اور اطمینان اور سکون رہے گا کہ اس دولت

کے سامنے سلطنت بھی ہیچ معلوم ہوگی کیونکہ اصل راحت اسی کا نام ہے کہ دل کو چین وسکون ہو۔ بعض لوگ ایسے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جنکا انجام دینا ان کی قدرت سے باہر ہے اسکا نتیجہ بجز پریشانی کے اور کچھ نہیں چنانچہ آجکل اسکا مشاہد ہو رہا ہے خلاصہ یہ کہ اسوقت مشائخ وغیر مشائخ علماء وعوام سبھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ لایعنی امور سے احتراز نہیں کرتے اور اسوجہ سے دنیا و دین دونوں کا نقصان ہو رہا ہے۔

عورتوں کی حالت اور اسکی اصلاح

بالخصوص یہ عورتیں کہ انکو رات دن زیور اور کپڑے کے تذکرہ کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ جس کے پاس زیور نہو وہ تو دوسروں کے زیور کا ذکر کرتی رہتی ہے اور جس کے پاس ہو وہ بھی چین سے نہیں بیٹھتی اسکو اسکی تلاش رہتی ہے کہ اگر کسی پاس میرے زیور سے اچھا نمونہ ہو تو میں بھی اسکو توڑوا کر ویسا ہی بنواؤں چنانچہ جہاں کسی کا زیور پسند آیا اور اپنا زیور ان کے دل سے اترا اور انھوں نے فوراً فرمائش کی کہ اس کو توڑوا کر ویسا ہی بنایا جاوے اسکی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ابھی ابھی اسکی بنوائی میں اتنے روپے گئے ہیں توڑوانے سے وہ سب لاگت ضائع جائیگی اور دوسری لاگت الگ دینی پڑے گی۔ مگر ان کی بلا پروا کرے۔ جانتی ہیں کہ شوہر کماوے گا اور لاوے گا ہم کیوں فکر کریں۔ بس ان کو

تو اپنی فرمائش پوری ہونی چاہیے۔ شوہر کے ذمہ چاہے کتنا ہی قرض ہو جائے۔ کپڑوں کے جمع کرنے کی وہ بھرمار ہوتی ہے کہ صندوق بھرا ہوا ہے مگر کیا ممکن ہے کہ بزاز ان کے گھر کے سامنے سے خالی گذر جائے۔ غرض عورتوں کے اقوال و افعال و احوال تو سراسر لایعنی ہیں ان کی فہرست گنانا تو گویا محال ہے ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم ۔ تمام بدن داغ داغ ہو رہا ہے پھایہ کہاں کہاں رکھوں۔

خیر یہ مضمون تو ظاہر تھا جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

تصوف کی ایک باریک بات

اب میں ایک بات مختصر طور پر ایسی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ذرا باریک بات ہے جسکو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض اوقات مشائخ طریق مریدین کو ایسے امور کا حکم دیتے ہیں جو بظاہر لایعنی معلوم ہوتے ہیں جس سے ظاہر بین کو شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف کر رہے ہیں تو اسکی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے پھر اسی کے ساتھ جبکہ یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ شیخ کی اطاعت کامل طور پر بجالائیں تو یہ اشکال اور قوی ہو جاتا ہے سو اول سمجھنا چاہیے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلاف شریعت بھی اگر وہ امر کرے تو اطاعت کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ خلاف شرع امر نہ کرے بلکہ شریعت کے موافق حکم کرے اسمیں اسکی اطاعت بجالاویں لیکن بعض دفعہ

لہ یہ بات اصلاح کی جڑ ہے ۱۲

ایسا ہوتا ہے کہ شیخ شریعت کے موافق امر کرتا ہے مگر مرید اسکو اپنی کم فہمی سے خلاف شرع سمجھ جاتا ہے اس لئے اسکا معیار یہ ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے ہی اسکی حالت کا تجربہ کرلیا جائے جب تجربہ سے اسکا متقی اور کامل دیندار ہونا ثابت ہوجائے اور جتنی شرائط شیخ کامل کی ہیں وہ سب اس کے اندر معلوم ہوجائیں۔ اس کے بعد بیعت ہوں پھر اس کے احکام میں پس وپیش نہ کریں کیونکہ شیخ کامل ہرگز شریعت کے خلاف امر نہیں کرسکتا اور جو خلاف شرع امر کرے وہ شیخ کامل نہوگا البتہ اگر اسکا موافق شرع ہونا سمجھ میں نہ آوے تو ادب کے ساتھ شیخ سے تحقیق کرلینا ضروری ہے اگر وہ نہ سمجھا سکے تو ادب کے ساتھ عذر کردے مگر گستاخی وسخت کلامی نہ کرے لیکن اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ کامل نہیں ہے لطف کے ساتھ اسکو چھوڑ دینا چاہئے۔ اس تمہید کے بعد اب سمجھئے کہ بعض دفعہ شیخ کامل بعض مریدوں کو کسی طاعت غیر واجبہ سے روکدیتا ہے مثلاً حکم دیدیا کہ تمام نوافل اور ذکر و اذکار ایک لخت موقوف کردو۔ حالانکہ ان کا ترک لایعنی ہے اور بعض دفعہ بعض مباحات میں مشغول ہونیکا حکم دیتا ہے کہ خوب کھاؤ پیو ہنسو بولو جنگل کی سیر کرو۔ تفریح طبع کے لئے سفر کرو حالانکہ بظاہر یہ امور لایعنی ہوتے ہیں تو اس سے کم فہموں کو غلطی پیش آسکتی ہے کہ یہ عجیب شیخ ہے جو لایعنی امور کا حکم دیتا ہے اور مالایعنی سے

یعنی مفید کاموں سے منع کرتا ہے ۔ سو خوب سمجھ لو کہ اسمیں شیخ کی غلطی نہیں بلکہ تمہارے فہم کا قصور ہے اس کا راز یہ ہے کہ وہ طاعت جو فی نفسہ مایعنی ہے اس مریض کے حق میں مایعنی نہیں ہے بلکہ کسی عارض کیوجہ سے مضر ہو رہی ہے اس لئے وہ اسکو ان خاص طاعات سے منع کر رہا ہے مثلاً شیخ دیکھتا ہے کہ اس مرید کو زیادہ نوافل اور ذکر و شغل کرنے سے عجب پیدا ہو گیا ہے یہ اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا ہے ۔ اس لئے وہ اسکو اذکار و اشغال سے منع کر دیتا ہے جیسے طبیب مریض کو کسی حلوے سے روک دیتا ہے حالانکہ اسمیں میوہ جات پڑے ہوئے ہیں مفرحات بھی اسمیں موجود ہیں لیکن مریض کا معدہ کمزور ہے وہ اسکو ہضم نہیں کر سکتا پس طبیب اسکو حلوے سے روک دیتا ہے اور کڑوی دوا پلاتا ہے کہ اس وقت اسکے لئے کڑوی دوا ہی مفید ہے اسی طرح طاعات و اذکار اگرچہ شیریں ہیں مگر بعض دفعہ ذاکر کا مزاج اس کا متحمل نہیں ہوتا بلکہ امراض کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے اسکو اذکار سے منع کر کے بعض مباحات میں مشغول کیا جاتا ہے اسوقت طالب کو شیخ کا اتباع کرنا چاہئے اور ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دینا چاہئے کہ وہ اسمیں جو چاہے تصرف کرے اس کو مولانا فرماتے ہیں ؂

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

چوں گزیدی پیر ہاں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق تا نگوید خضر رو ہذا فراق

گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر ہست

(زبانی دعووں) کو چھوڑ مرد حال بن (جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی شیخ کامل کے سامنے اپنے کو مٹا دو (ادب شیخ یہ) کہ جب تو نے پیر بنا لیا ہے تو اس کے سپرد ہو جا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح کہ وہ حضرت خضر کے حکم کے ماتحت چلے تھے تم بھی چلو اے مخلص بعد خضر (شیخ) کے تمام امور میں صبر و تاکہ خضر (شیخ) کے تمام امور میں صبر کرو تاکہ خضر (شیخ) یہ نہ کہہ دے کہ جاؤ یہ (ہم میں) جدائی کا وقت ہے (اور شیخ کے کام میں باطنی حکمت ہوتی ہے دیکھو) اگر خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی تو توڑ دیا تو خضر کی اس توڑ پھوڑ میں سیکڑوں درستی تھیں (کہ وہ کشتی بادشاہ کے ظلم سے محفوظ رہی

آں پسر را کش خضر ببرید حلق سر آں را در نیابد عام خلق

اسی طرح جس لڑکے کو حضرت خضر نے ہلاک کر دیا تھا اس بھید کو عام مخلوق نہیں پہنچ سکتی،

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص حج کے واسطے شیخ سے اجازت لینے آیا مگر اس پر حج فرض نہیں یا فرض کو وہ ادا کر چکا ہے اب حج نفل کے لئے اجازت چاہتا ہے لیکن شیخ نے اسکو منع کر دیا اس پر بعض لوگ متوحش ہوتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو حج جیسی طاعت سے منع کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ حج سے منع نہیں کرتا بلکہ تم کو معصیت و کفر سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ تم گمزور ہمت

لہ قصہ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کی تفصیل بیان القرآن میں دیکھئے ۱۲

لہ گھبراتے ہیں

والے ہو صعوبت سفر اور مشقت طریق کا تحمل تم نہیں کر سکتے ایسی حالت میں اگر تم حج کرنے گئے تو اندیشہ ہے کہ ایک حج کے لئے پچاس نمازیں قضا کروگے۔ اور اگر زیادہ مشقت پیش آئی تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ تمکو حج ہی سے نفرت ہو جائے اور خدا کی طرف سے دل میں شکایت پیدا ہو جائے تو اس صورت میں حج کا ثواب تو کیا ملتا ایمان بھی مکہ ہی میں رہ جائیگا اور فرض ادا ہی ہو چکا تھا تو خواہ مخواہ نفل کام کیلئے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا یا کم از کم معاصی میں مبتلا ہونا کونسی عقلمندی ہے اس لئے وہ شیخ کامل ایسے شخص کے لئے یوں کہتا ہے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اے حج نفل کو جانیوالو کہاں جارہے ہو کہاں جارہے ہو محبوب تو اسی جگہ ہے یہاں آؤ یہاں آؤ۔

البتہ جس پر حج فرض ہو اسکو چلا جانا چاہئے اور مشقت سفر کیلئے دل کو یہ مضمون سمجھا دیجئے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی!
در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں!
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اے دل یہی بہتر ہے کہ شراب عشق سے خراب ہو جائے بیمال و خزانہ کے قارون جیسے بجدبہ کیساتھ رہے۔ لیلیٰ کے قیام گاہ کے راستہ میں جان کو بہت خطرے ہیں

ثمرہ یہ ہے کہ اول قدم میں ہی مجنوں ہوجائے۔
بات یہ ہے کہ حج میں تکلیف و مشقت اسی کو معلوم ہوتی ہے جسکو محبت نہ ہو ورنہ اہل محبت کو تو وہاں کی ہر کلفت میں لطف آتا ہے آخر محبوبان مجازی کے وصال میں عشاق کیسی کیسی کلفتیں برداشت کرتے ہیں پھر کیا ان کو کلفتوں سے کچھ پریشانی ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ پس جس پر حج فرض ہو وہ اپنے دل کو یہ باتیں سمجھائے کہ عشاق ایک ادنیٰ سے محبوب کے لئے ہزاروں مشقتیں جھیلتے ہیں پھر تعجب ہے کہ میں محبوب حقیقی کے دربار میں پہونچنے سے ذرا سی کلفت کیوجہ سے رک جاؤں اسی طرح دنیوی مقدمات کی کامیابی کے لئے اہل دنیا نہ گرمی کی پروا کرتے ہیں نہ سردی کی نہ بھوک کی پروا کرتے ہیں نہ پیاس کی پھر حیرت ہے کہ میں مقدمۂ آخرت کی کامیابی کے لئے ذرا سی تکلیف برداشت نہ کروں مجھے ہمت کرکے ضرور جانا چاہیئے۔ البتہ جس پر حج فرض نہ ہو یا وہ فرض ادا کر چکا ہے اس کو اگر شیخ منع کردے تو اس سے بھی رکجانا چاہئے کا سے

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اس لئے اس صورت میں حج سے زیادہ نفع صحبت شیخ میں ہوگا یہاں مرید کو شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپ کو تسلیم کردینا چاہئے اس طریق میں تسلیم و تفویض بہت ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں

جل سکتا بشرطیکہ شیخ کوئی گناہ نہ کرادے ہاں مباحات و مستحبات اس کی قلمرو میں ہیں ان میں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے۔ اگر وہ کسی مستحب کام سے روک دے تو اس میں اسکی اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ تم کو ایک مستحب سے روک کر اس سے افضل اور ضروری کام میں لگائے گا۔

سالک کو گرہ باندھنے کی بات

اس راستہ میں نفس و شیطان کے مکائد بہت دقیق ہوتے ہیں بعض دفعہ شیطان ایک مستحب کام کی رغبت دلاتا ہے مگر اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس میں مشغول ہو کر دوسرا اہم اور ضروری کام چھوٹ جائے گناہ کی رغبت تو سالک کو وہ اس لئے نہیں دلاتا کہ جانتا ہے کہ گناہ کا وسوسہ ڈالنے سے یہ فوراً سمجھ جائیگا کہ وسوسہ شیطانی ہے اور مستحب کام کی رغبت کو شیطانی وسوسہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ناواقف تو اسکو الہام رحمانی سمجھنے لگتا ہے مگر شیخ کامل سمجھ لیتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان بھی مستحب کام کی رغبت دلایا کرتا ہے نہ اس لئے کہ وہ مستحبات سے خوش ہے یا سالک کا مستحبات میں مشغول ہونا اسکو پسند ہے بلکہ محض اس لئے کہ ایک ادنی مستحب میں اسکو مشغول کرکے اعلی اور اہم کام سے

ایک بزرگ کی حکایت

چنانچہ ایک بار ایک طالب کے قلب میں تقاضا ہوا کہ فلاں جگہ چلو وہاں قتال ہو رہا ہے وہاں چلکر خدا کی راہ میں جان دینا چاہیئے وہ بیچارہ اسوقت تک خلوت نشین تھا ذکر و شغل و مجاہدات میں مشغول تھا کہ دفعۃً ایک دن جہاد کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اب اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ کوئی کیسے کہہ سکتا تھا ظاہر میں تو بہت اچھا خیال تھا مگر وہ شخص چونکہ سچا طالب تھا اس لیئے حق تعالیٰ نے دستگیری کی اس نے فوراً اس خطرہ پر عمل نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھکو اس خطرہ کی حقیقت سے مطلع کر دیا جائے آخر الحاح و زاری کے بعد حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ خطرہ نفسانی ہے۔ تمہارا نفس مجاہدات سے پریشان ہو گیا ہے اس لئے وہ تمکو جہاد کی رغبت دلاتا ہے کہ اسمیں ایک دم سے خاتمہ ہو جائے گا یہ روز کی مصیبت تو نہ رہے گی تو آپنے نفس کی چال دیکھی وہ انکو فرض عین سے فرض کفایہ میں مشغول کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے اور بہت مسلمان موجود تھے ان کے ذمہ فرض عین نہ تھا اور اصلاح نفس فرض عین ہے اور اس کا منشا محض راحت طلبی تھی وہ چاہتا تھا کہ بس جہاد میں جاکر ایک دم سے فیصلہ ہو جائے یہ روز روز کی مشقت اور چکی پیسنا ختم ہو جائے بس نفس و شیطان کے ان مکائد کو شیخ پہچان لیتا ہے اس لئے بعض دفعہ وہ مستحبات سے روکدیتا ہے جس سے اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھے میرے ایک دوست نے ذکر و شغل بہت زیادہ کیا ایک دفعہ ان کو شدید قبض طاری ہوا انھوں نے مجھے اطلاع کی میں سمجھ گیا

کہ سب کام چھوڑ دو اور خوب کھاؤ پیو ہنسو بولو اسیر و تفریح میں مشغول ہو اور لکھنؤ جا کر سیر کر دیا کسی دوسری جگہ کا سفر کر دیا اس علاج سے انکو بہت راحت ہوئی کہ ذکر شغل چھڑا کر اچھا کام بتلا دیا مگر یا جو وقت مجھ میں شاہ آئے انہوں نے اس پر عمل کیا تین چار ہی دن میں بسط قوی حاصل ہو گیا اور سارا قبض جاتا رہا بڑے خوش ہوئے تو بات یہ تھی کہ کثرت مجاہدات سے نفس تھک گیا تھا جیسے بعض دفعہ روز روز مٹھائی کھانے سے جی اکتا جاتا ہے اس لئے تبدیل ذائقہ کی ضرورت تھی جیسے جب غذا ہضم نہ ہو تو کھانے کے ساتھ چٹنی کھا لیا کرتے ہیں چنانچہ جب نفس کو مجاہدات سے چھڑا کر سیر و تفریح میں مشغول کیا گیا ذائقہ بدل گیا تو وہ انقباض بھی جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اسی لیے حدیث میں ہے کہ جب رات کو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو سو جاؤ پھر اٹھ کر کام کرنے لگو فان اللہ لا یمل حتی تملوا

حضرت مولانا یعقوبؒ کا حکیمانہ ارشاد | ہمارے حضرت استاد فرمایا کرتے تھے کہ سبق کا تکرار ایسے وقت ختم کرنا چاہیے جبکہ کچھ شوق باقی رہ جائے مثلاً بارہ دفعہ کہنے کا شوق ہو تو دس بار ہی کہکر ختم کر دے تاکہ آئندہ کے لیے شوق باقی رہے۔ اس سے اکتا کر نہ ختم کرنا چاہیے اس سے آئندہ کی ہمت ہار جاتی ہے اور اسکی عجیب مثال بیان فرمائی گویا معقول کو محسوس کر دیا۔ فرمایا دیکھو پتنگ گھیراتے ہوئے کچھ ڈورا اسکے اوپر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اسی ڈورے پر آسانی سے پھر لوٹ آوے اور اگر کبھی غلطی سے سارا ڈورا اتر جاتا ہے تو پھر بڑی دقت سے لوٹتی ہے غرض اسی طرح اور بہت نظیریں ہیں جن میں شیخ مستحبات سے روک کر مباحات میں مشغول کرتا ہے مگر اسوقت وہ مباحات ہی مایعنی ہیں اور مستحبات اس شخص کیلئے لایعنی ہوتے ہیں۔ باقی اس کیلئے قواعد ہیں یہ نہیں کہ جب چاہا جو چاہا حکم دیدیا قواعد ضرور ہیں مگر وہ پاس رہنے والے کو بتلائے جاتے ہیں اگر ہر شخص کو وہ قواعد بتائے جائیں اور وہ الٹے سیدھے کام لینے لگے تو عدم مہارت فن کے سبب وہی نتیجہ ہوگا کہ ایک حکیم

صاحب اپنے صاحبزادہ کو ساتھ لیکر ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھکر
کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار
کیا لوٹتے ہوئے صاحبزادہ نے دریافت کیا کہ آپکو نبض سے یہ کیونکر پتہ
چلگیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے حکیم صاحب نے کہا کہ نبض سے تو مجھکو اتنا
معلوم ہوا تھا کہ اسنے کوئی چیز قاطع صفرا استعمال کی ہے پھر مجھے پلنگ
کے نیچے نارنگی کے چھلکے نظر آئے تو میں سمجھ گیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے
بس اب صاحبزادہ کہاں تھے بڑے خوش ہوئے کہ ہم تو آج بڑا مسئلہ
معلوم ہوا جب حکیم صاحب مرگئے اور صاحبزادہ کا دورہ دورہ ہوا تو کسی
مریض کے یہاں بلائے گئے آپکو تو وہ مسئلہ یاد ہی تھا نبض دیکھکر چارپائی
کے نیچے نظر کی تو ایک نمدہ پڑا ہوا دیکھا کہنے لگے کہ آپنے آج نمدہ کھایا ہے
لوگ اس پر ہنسنے لگے بیمار نے کہا کہ بھلا نمدہ بھی کوئی کھاتا ہے اگر نارنگی جیسی چیز ہو
میں کھا لیتا تو آپ کہنے لگے کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپنے آج نمدہ
کھایا ہے اس نے ملازموں سے کہا کہ انکو نکالو انکے دماغ میں نمدہ
اسی طرح اناڑی آدمی کو اگر یہ قواعد بتائے جائیں گے وہ بھی ایک قاعدہ
یاد کر کے سب کو ایک ہی لکڑی ہانکے گا باقی محققین نے اس کے لئے اصول و
قواعد بیان کئے ہیں اور محقق ان کو سمجھ کر استعمال بھی کرتا ہے اگرچہ ایسے
لوگوں پر عوام نے طعن بھی کئے ہیں مگر مشغلات پر طعن نہیں ہو سکتا وہ جو
کچھ کرتے ہیں حقیقت سمجھ کر کرتے ہیں

امام غزالی پر ایک اشکال کا جواب

امام غزالی رح نے لکھا ہے کہ جب ذکر کرتے کرتے طبیعت گھبرا
جائے تو اس ذاکر پر تھوڑی دیر بیٹھنا بھولنا بھی واجب ہے تو کوئی

اس مسئلہ کی وجہ سے امام پر بہت طعن کیا ہے کہ دیکھو ہنسنے بولنے کو واجب کر دیا مگر محقق کا کلام محقق ہی ہوتا ہے اسکا راز یہ تھا کہ اصل میں تو عمل واجب ہے اور بعض طبائع کی خصوصیت سے عمل موقوف ہوتا ہے نشاط پر اور نشاط ہوتا ہے ہنسنے بولنے سے اور یہ مسلم ہے کہ مقدمہ الواجب واجب بس اب اسمیں کیا اشکال رہا یہ مضمون بہت طویل ہے لیکن وقت تنگ ہو گیا ہے اس لئے میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور حدیث کا خلاصہ پھر بیان کئے دیتا ہوں کیونکہ خلاصہ بیان کر دینے سے مقصود محفوظ ہو جاتا ہے حاصل اس ارشاد نبوی کا یہ ہے کہ فضول اور لغو باتیں اور کام چھوڑ دو اور فضول اسے کہتے ہیں جس کے چھوڑنے سے نہ دنیا کا ضرر ہو نہ آخرت کا اور اسکے کرنے میں نہ دنیا کا نفع ہو نہ آخرت کا اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہمکو عمل کی توفیق دیں آمین۔ وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ٥

تمت بالخیر